فن جرح وتعدیل میں

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان

کی مہارت ''الصحابۃ نجوم الاھتداء'' کی روشنی میں



مفتی محمد سلیم بریلوی

مدیر اعزازی ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی شریف

واستاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی شریف، انڈیا

/muftiakhtarrazakhan1011/

/muftiakhtarraza

+92 334 3247192



www.muftiakhtarrazakhan.com



وارثِ علوم اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ

نبیرۂ حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ جانشین مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ

جگر گوشہ مفسر اعظم رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام والمسلمین قاضی القضاۃ تاج الشریعہ

مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری رحمۃ اللہ علیہ

اور خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے دیگر علمائے کرام

کی تصنیفات اور حیات و خدمات کے مطالعہ

کے لئے وزٹ کریں

www.muftiakhtarrazakhan.com

/muftiakhtarrazakhan1011/

/muftiakhtarraza

+92 334 3247192



فن جرح وتعدیل میں تاج الشریعہ کی مہارت
''الصحابة نجوم الاهتداء'' کی روشنی میں

مفتی محمد سلیم بریلوی

مدیر اعزازی ماہنامہ اعلیٰ حضرت واستاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی شریف، انڈیا

ناشر:

دار النقی

تاج الشریعہ فاؤنڈیشن، کراچی، پاکستان

www.muftiakhtarrazakhan.com

+92 334 3247192

فن جرح وتعدیل میں تاج الشریعہ کی مہارت

''الصحابۃ نجوم الاھتداء'' کی روشنی میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو ہدایت کے ستارے قرار دیا۔حقیقت بھی یہی ہے کہ صحابیت ایک بہت ہی عظیم مرتبہ اور مقام ہے ۔امام اہل سنت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر　　　اُس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

اس عظیم مقام ومرتبہ کے حامل جو افراد ہیں اُن کے مقام ومرتبہ کو سمجھنے کے لیے ضروری یہ ہے کہ پہلے یہ جانا جائے کہ یہ وصفِ صحابیت ہے کیا؟ صحابی کسے کہتے ہیں؟ صحابی کی تعریف کیا ہے؟ کون لوگ اس مقام کو حاصل کر سکتے ہیں؟ کن لوگوں کو یہ مقام حاصل ہوا؟ جن لوگوں کو یہ مقام حاصل ہوا ہم انہیں کن اصولوں کی روشنی میں شناخت کریں؟ قرآن وحدیث اور اقوال اسلاف کی روشنی میں صحابہ کرام کی مقدس جماعت کے فضائل ومناقب کیا ہیں؟

صحابی کا لغوی معنیٰ: صحابی ''الصحبۃ'' سے مشتق ہے ۔یعنی ہر وہ شخص صحابی کہلاتا ہے کہ جس نے کسی دوسرے کی تھوڑی یا زیادہ مدّت تک صحبت اختیار کی ہو اور اُس کے ساتھ رہا ہو۔ جیسے متکلّم ،مخاطب، ضارب ۔یہ مکالمہ، مخاطبہ اور ضرب سے مشتق ہیں لہٰذا تھوڑی یا زیادہ گفتگو کرنے والے شخص کو متکلّم کہا جائے گا۔صحابی کے اسی لغوی معنیٰ کے اعتبار سے اُس شخص کو بھی صحابی کہا جائے گا کہ جس نے دن کے ایک لمحے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی ہو۔امام سخاوی نے فرمایا کہ لغوی اعتبار سے صحابی کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوگا کہ جس نے اتنی تھوڑی مدّت بھی صحبت اختیار کی ہو کہ جس پر

صحبت کا اطلاق ہو سکے۔لہٰذا جن لوگوں کی صحبت بہت طویل اور جن کی مجالست بہت کثیر رہی ہو وہ تو بدرجہ اولیٰ صحابی ہوں گے۔(فتح المغیث للسخاوی، جلد ۳ صفحہ ۸۶ بحوالہ الاصابہ ص ۷ جلد ۱)

علمائے اصول کے نزدیک صحابی کی تعریف: امام ابو الحسین نے ''معتمد'' میں صحابی کی تعریف یوں کی کہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ طویل زمانے تک اتباع و پیروی کے طور پر اور ان سے اخذ و تعلیم کے طور پر رہا ہو اُسے صحابی کہیں گے۔لہٰذا جن لوگوں کی مجالست تو طویل تھی لیکن اتباع کا قصد نہ تھا یا مجالست طویل تو نہ تھی مگر اتباع کا قصد تھا تو ایسے لوگ صحابی نہ کہلائیں گے۔

علمائے حدیث کے نزدیک صحابی کی تعریف: ابو المظفر سمعانی کے حوالے سے ابن صلاح نے یہ قول نقل کیا ہے کہ اصحاب حدیث لفظ صحابہ کا اطلاق ہر اُس شخص پر کرتے ہیں جس نے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کوئی روایت کی ہو اگر چہ وہ ایک حدیث یا ایک کلمہ ہی کیوں نہ ہو۔صحابی کے اس اطلاق کے دائرے میں مزید وسعت دیتے ہوئے یہ اصحاب حدیث فرماتے ہیں کہ جس نے انہیں ایک نظر ہی کیوں نہ دیکھا ہو وہ بھی صحابی کہلائے جانے کا استحقاق رکھتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقام رفیع اس بات کا مقتضیٰ ہے کہ ہر اُس شخص کو صحابی کا خطاب دیا جائے کہ جس نے آقا کو دیکھا ہو۔

تابعین کرام کے حوالے سے بھی کتابوں میں صحابی کی مختلف تعریفات ملتی ہیں۔حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ: ''صحابی اُسے کہیں گے کہ جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ایک یا دو سال گزارے ہوں اور ان کے ساتھ ایک یا دو غزوات میں حصہ لیا ہو۔''

امام واقدی نے فرمایا کہ، میں نے اہل علم کا یہ قول دیکھا ہے کہ: ''ہر وہ شخص جس نے آقا کو دیکھا ہو اس حال میں کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ گیا ہو، اسلام لے آیا ہو، امور دینیہ کی سمجھ اُس کے اندر پیدا ہو گئی ہو اور وہ شریعت کو پسند کرتا ہو تو وہ ہمارے نزدیک صحابی ہے اگر چہ دن کی ایک گھڑی ہی میں اس نے آقا کی زیارت کیوں نہ کی ہو۔یعنی اِن کے نزدیک صحابی ہونے کے لیے بالغ ہونا،

مسلمان ہونا، مسائل شرعیہ کی فہم کا ہونا اور مذہب کا پسندیدہ ہونا شرط ہے۔"

صحابی کی مذکورہ تمام اصطلاحی تعریفات کو نقل کرنے کے بعد علامہ ابن حجر عسقلانی نے ایک ایسی جامع تعریف فرمائی ہے کہ جس پر کوئی اعتراض واقع نہیں ہوتا اور وصفِ صحابیت سے متصف ہونے کا استحقاق رکھنے والے تمام حضرات اُس میں شامل ہو جاتے ہیں۔

صحابی کی صحیح تعریف: جس نے نبی اکرم ﷺ سے اُن کی حیات طیبہ میں حالت ایمان میں ملاقات کی ہو اور اس کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوا ہو تو اسے "صحابی" کہتے ہیں۔

اس تعریف کی رو سے وہ شخص بھی صحابہ کرام کی مقدس جماعت میں شامل ہو جائے گا کہ جس کی مجالست آقا کے ساتھ طویل رہی ہو، وہ بھی داخل ہوگا کہ جس کی کم رہی ہو۔ وہ بھی داخل ہوگا کہ جس نے ان سے روایت کی ہو یا روایت نہ کی ہو، آقا کے ساتھ غزوات میں شریک ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ وہ لوگ بھی اس زمرے میں شامل ہو جائیں گے کہ جنہوں نے محض ایک ہی نظر دیکھا اور لمبی مجالست نہ رہی۔ اسی طرح وہ بھی صحابی کہلائے گا کہ جس نے انہیں کسی عرض عارض کی بنیاد پر نہ دیکھا ہو جیسے کہ نابینا۔

مذکورہ تعریف ایک جنس اور دو فصلوں پر مشتمل ہے "من لقی النبی ﷺ" یہ جنس ہے جس میں مسلم و کافر، بالغ و نابالغ ہر وہ شخص شامل ہے کہ جس نے اپنی زندگی میں آقا سے ملاقات کی ہو۔ لہٰذا وہ لوگ کہ جنہوں نے آقا کے وصال کے بعد اور تدفین سے پہلے آقا کو دیکھا تو وہ صحابی نہ کہلائے گا۔ جیسے "ابو ذؤیب الهذلی" شاعر کیونکہ اُنہوں نے آقا کو وصال کے بعد اور تدفین سے پہلے دیکھا تھا۔

"الایمان": ایمان مذکورہ تعریف میں فصل اول کی حیثیت رکھتا ہے کہ جس کی بنیاد پر وہ شخص مرتبۂ صحابیت پانے سے خارج ہو گیا کہ جس نے ایمان کی حالت میں آقا کریم ﷺ کی زیارت نہیں کی۔ اسی طرح وہ افراد کہ جو ہمارے آقا ﷺ کے علاوہ دیگر انبیاء پر ایمان رکھتے تھے اور وہ اعلان نبوت سے پہلے ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے جیسے کہ اہل کتاب۔ یہ لوگ صحابی نہیں کہلائیں گے۔ اب رہ گئے وہ اہل کتاب کہ جنہوں نے اعلان نبوت اور نزول وحی سے پہلے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سے ملاقات بھی کی اور اس بات پر ایمان بھی رکھا کہ وہ عنقریب مبعوث ہوں گے۔ وہ اس زمرۂ صحابہ میں شامل کیسے جائیں گے کہ نہیں؟ یہ محل احتمال ہے۔ جیسے کہ بحیرہ راہب وغیرہم۔

''مات علیٰ اسلامہ'' اسلام ہی پر خاتمہ ہونے والی یہ قید اور شرط اس تاریخ میں فصل دوم کی حیثیت رکھتی ہے کہ جس سے وہ لوگ صحابی ہونے سے نکل گئے کہ جو آقا کے وصال کے بعد مرتد ہو گئے۔ اب رہ گئے وہ لوگ کہ جو آقا کے بعد مرتد ہوئے پھر اسلام لائے اور حالت اسلام ہی میں اُن کی موت واقع ہوئی ایسے لوگوں کو صحابی کہا جائے گا یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں حضرت امام شافعی اور حضرت امام اعظم کا موقف یہ ہے کہ ارتداد یہ صحبت سابقہ کو ختم کر دیتا ہے۔ جیسے کہ قرّہ بن میسرہ اور اشعث بن قیس۔ یہ دونوں حضرات پہلے اسلام لائے پھر آقا ﷺ کے وصال کے بعد مُرتد ہو گئے پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانے میں دوبارہ اسلام لائے۔ علامہ ابن حجر کے نزدیک ایسے لوگوں کو صحابی کے نام سے یاد کیا جائے گا۔ نیز محدثین نے اپنی مرویات میں انہیں صحابہ ہی کے نام سے درج کیا ہے۔

واضح رہے کہ یہ اختلاف اُن لوگوں کے بارے میں ہے کہ جو اسلام لانے کے بعد مُرتد ہوئے اور پھر اسلام لے آئے۔ البتہ وہ لوگ کہ جن کی موت ہی ارتداد پر ہوئی وہ بالاتفاق صحابی کہلانے کے مستحق نہیں جیسے حضرت اُمِّ حبیبہ کا شوہر عبیداللہ بن جحش کہ یہ حضرت اُمِّ حبیبہ کے ساتھ اسلام لایا، اُس کے بعد حبشہ کی طرف ہجرت کی مگر وہاں جا کر نصرانی ہوگیا اور اِسی حالت میں اُس کی موت واقع ہوگئی۔ اِسی طرح عبداللہ بن خطل اور ربیعہ بن امیہ بن خلف۔

کیا ملائکہ میں سے بھی کوئی صحابی ہے؟ علامہ ابن حجر عسقلانی نے ملائکہ کے وصف صحابیت سے متصف ہونے کے سلسلے میں فرمایا کہ زُمرۂ صحابہ میں اُن کا داخل کرنا یہ محل نظر ہے اور اس کی وجہ بعض لوگوں نے یہ بیان کی کہ آقا ﷺ فرشتوں کی طرف مبعوث نہیں ہوئے۔ جس کو امام فخرالدین رازی نے ''اسرار التنزیل'' میں نقل فرمایا ہے۔ اس کے برخلاف علامہ تقی الدین سُبکی نے فرمایا کہ وہ اِن کی

طرف مبعوث ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس قول کی بنیاد پر یہ وصفِ صحابیت سے متصف کیے جاسکتے ہیں۔ بہر حال کسی فرشتے کا زُمرۂ صحابہ میں داخل ہونا یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔

کیا جن صحابی ہو سکتے ہیں؟ چونکہ جن اُن اجسام ہوائیہ لطیفہ کو کہتے ہیں کہ جو مختلف شکلیں اختیار کرنے پر قادر ہوتے ہیں اور جن سے حیرت انگیز افعال صادر ہوتے ہیں۔ اِن میں سے مومن بھی ہوتے ہیں اور کافر بھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا جنّات وصف صحابیت سے متصف ہو سکتے ہیں؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانی نے راجح قول پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ جنات کہ جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کو حالت ایمان میں دیکھا یا اُن کی زیارت کی تو وہ بلا شبہ صحابی کہلانے کے مستحق ہیں کیونکہ یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ جن وانس دونوں کی طرف مبعوث ہوئے۔

صحابی کی شناخت کے طریقے: کون صحابی ہے اور کون نہیں اس کی معرفت کے مندرجہ ذیل پانچ طریقے ہیں:

(۱) خبر متواتر سے ثبوت: کسی صحابی کا صحابی ہونا خبر متواتر سے ثابت ہو۔ یعنی کسی کے صحابی ہونے کو اتنے لوگوں نے بتایا ہو کہ جن کا جھوٹ پر اجماع عقلاً و عادتاً محال ہو۔ ایسے لوگوں کا صحابی ہونا قطعی اور یقینی ہے جیسے خلفائے راشدین اور بقیہ عشرۂ مبشرہ۔

(۲) خبر مشہور اور خبر مستفیض سے ثبوت: یعنی وہ لوگ کہ جن کا صحابی ہونا خبر مشہور یا خبر مستفیض سے معلوم ہو جیسے کہ ضمام بن ثعلبہ اور عکاشہ بن محصن۔

(۳) قول صحابی سے ثبوت: یعنی کسی کے صحابی ہونے کے بارے میں کسی ایک صحابی نے روایت کی ہو اور بتایا ہو کہ فلاں صحابی ہے جیسے **حممہ بن ابی حممہ** دوسی جن کے صحابی ہونے کے بارے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری نے گواہی دی۔

(۴) قول تابعی سے ثبوت: کسی تابعی نے یہ خبر دی ہو کہ فلاں صحابی ہے۔

(۵) خود اپنے قول سے ثبوت: کسی عادل وثقہ ایسے شخص نے کہ جس نے آقا کا زمانہ پایا ہو اُس نے خود اپنے بارے میں یہ خبر دی ہو کہ میں صحابی رسول ہوں تو اُس کی عدالت وثقاہت اور معاصرت رسول کے ثبوت کے بعد اُسے صحابی مانا جائے گا۔

اس سلسلہ میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے ایک ایسا جامع ضابطہ نقل کیا ہے کہ جس کی بنیاد پر صحابہ کرام کی اس مقدس جماعت میں کثیر افراد داخل ہو سکتے ہیں ۔ یہ ضابطہ تین نشانیوں پر مشتمل ہے ۔ لہٰذا اُن تین نشانیاں کی بنیاد پر کثیر افراد زُمرۂ صحابہ میں داخل ہو جائیں گے ۔

(۱) چونکہ غزوات میں صرف صحابہ کرام ہی شامل ہوتے تھے ۔لہٰذا جن کا مرتد ہونا ثابت ہو جائے انہیں چھوڑ کر بقیہ جتنے بھی لوگ جنگوں میں شامل ہوئے وہ سب صحابی ہی ہوں گے ۔

(۲) حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے فرمایا کہ کوئی بھی بچہ پیدا ہوتا تو اُسے آقا کی بارگاہ میں لایا جاتا ۔آقا اُس کے لیے دعا فرماتے ۔ اِس قول کی بنیاد پر بھی صحابہ کرام کی تعداد بہت زیادہ ہوگی ۔

(۳) مدینہ شریف، مکہ شریف، طائف اور اُس کے اِرد گرد کے جتنے بھی خطے ہیں اُن میں رہنے والے سارے لوگ ہی اسلام لائے اور حجۃ الوداع کے موقع پر شریک ہوئے ۔ایسی صورت میں جن لوگوں نے بھی آقا کو اس حج کے موقع پر دیکھا وہ زُمرۂ صحابہ ہی میں داخل ہو نگے اگر چہ آقا نے اُن کو نہ دیکھا ہو ۔

مذکورہ ضابطے سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام کی تعداد بلا شبہ بہت زیادہ ہے اگر چہ ہمیں تفصیل کے ساتھ اُن کے نام اور اُن کی معیّن تعداد معلوم نہ ہو ۔

صحابہ کا مقام و مرتبہ: صحابہ کرام کو اللہ رب العزت نے بہت ہی عظیم مرتبہ عطا فرمایا ہے ۔ اِن کی عظمت و رفعت کا اندازہ اِسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ تمام صحابہ کرام بالاتفاق ایسے عادل وثقہ ہیں کہ اِن میں سے کسی کی عدالت کے سلسلہ میں نہ تو کوئی سوال کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کوئی تفتیش ۔صحابۂ کرام کے عادل ہونے اور اِن کی عدالت پر قرآن و حدیث میں بہت سے دلائل موجود ہیں اس

کے ساتھ ہی ان کی عدالت اجماع امت سے بھی ثابت ہے۔

عدالت صحابہ قرآن کی روشنی میں: قرآن کریم میں کئی جگہوں پر ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اِن پاکباز ساتھیوں کی تعریف وتوصیف کی گئی اور اِن کی عدالت کے بارے میں بتایا گیا۔ اِن میں سے چند آیات یہاں پر نقل کی جارہی ہیں:

① مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا٘ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــٴَـهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا (الفتح:۲۹)

ترجمہ: محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔ تو انہیں دیکھے گا، رکوع کرتے سجدے میں گرتے۔ اللہ کا فضل ورضا چاہتے۔ اُن کی علامت اُن کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے۔ یہ اُن کی صفت توریت میں ہے اور اُن کی صفت انجیل میں۔ جیسے ایک کھیتی اُس نے اپنا پٹّھا نکالا پھر اُسے طاقت دی پھر دبیز ہوئی پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی کسانوں کو بھلی لگتی ہے تاکہ اُن سے کافروں کے دل جلیں۔ اللہ نے وعدہ کیا اُن سے جو اُن میں ایمان اور اچھے کاموں والے ہیں بخشش اور بڑے ثواب کا۔ (کنزالایمان)

② لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ یَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ(۸) وَ الَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَ لَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ۫ وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الحشر:۸،۹)

ترجمہ: اِن فقیر ہجرت کرنے والوں کے لیے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے۔ اللہ کا فضل اور اُس کی رضا چاہتے اور اللہ و رسول کی مدد کرتے۔ وہی سچے ہیں اور جنہوں نے پہلے سے اِس شہر اور ایمان میں گھر بنالیا دوست رکھتے ہیں اُنہیں جو اُن کی طرف ہجرت کرکے گئے اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اُس چیز کی جو دیئے گئے اور اپنی جانوں پر اُن کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب ہیں۔ (کنزالایمان)

③وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّاؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ (الانفال: ۷۴)

ترجمہ: اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی سچے ایمان والے ہیں۔ اُن کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔ (کنزالایمان)

④لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا (الفتح: ۱۸) ترجمہ: بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اُس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے۔ تو اللہ نے جانا جو اُن کے دلوں میں ہے تو اُن پر اطمینان اتارا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔ (کنزالایمان)

⑤یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبۃ: ۱۱۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو۔ (کنزالایمان)

⑥وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍۙ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًاؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (التوبۃ: ۱۰۰)

ترجمہ: اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ اُن کے پیرو ہوئے۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لیے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ

ہمیشہ اُن میں رہیں یہی بڑی کامیابی ہے۔(کنزالایمان)

⑦وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (البقرۃ:۱۴۳)

ترجمہ:اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب امتوں میں افضل۔(کنزالایمان)

⑧كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ (آل عمران:۱۱۰)

ترجمہ:تم بہتر ہو اُن سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔(کنزالایمان)

⑨وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ (الحج:۷۸)ت

رجمہ:اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا حق ہے جہاد کرنے کا۔اُس نے تمہیں پسند کیا اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔تمہارے باپ ابراہیم کا دین۔اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اگلی کتابوں میں اور اس قرآن میں تاکہ رسول تمہارا نگہبان و گواہ ہو اور تم اور لوگوں پر گواہی دو۔(کنزالایمان)

(۱۰)قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ (النمل:۵۹)

ترجمہ:تم کہو سب خوبیاں اللہ کو اور سلام اُس کے چنے ہوئے بندوں پر۔(کنزالایمان)

''عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ''اللہ کے وہ بندے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے چُن لیا ہے یہ کون لوگ ہیں؟

اِس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ ان سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس صحابہ کرام ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے منتخب فرمایا۔

عدالت صحابہ احادیث کریمہ کی روشنی میں: جن لوگوں نے ہوش و ایمان کی حالت میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا یا آقا کی صحبت میں حاضر ہوئے پھر ایمان پر ہی اُن کا خاتمہ بھی ہوا ایسے لوگوں کی عدالت

قرآن سے بھی ثابت ہے،احادیث کریمہ سے بھی اوراجماع امت سے بھی۔صحابۂ کرام کی عظمت و رفعت اورفضائل ومناقب کے سلسلہ میں بہت سی احادیث کریمہ موجود ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ وہ مقدس جماعت ہے جوتمام مسلمانوں سے افضل ہے۔روئے زمین کے سارے ولی،غوث، قطب اورابدال کسی ایک صحابی کے گردِ قدم تک نہیں پہنچ سکتے۔اس سلسلہ میں چنداحادیث کریمہ ذیل میں نقل کی جاتی ہیں:

① عن ابی سعید عن النبی۔علیه السلام۔ قال: لا تسبوا اصحابی،فوالذی نفسی بیده لو ان احدکم انفق مثل احد ذهبا ما ادرک مد احدهم و لا نصیفه۔(بخاری، کتاب فضائل الصحابة)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کو بُرا نہ کہو کیونکہ اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا خیرات کرے تو وہ اِن صحابہ میں سے کسی ایک کے ایک مُد کو بھی نہ پہونچے اور نہ آدھے مُد کو۔(چار مُد کا ایک صاع ہوتا ہے ایک صاع ساڑھے چار سیر کا تو اس لحاظ سے ایک مُد ایک سیر آدھ پاؤ کا ہوا یعنی تقریباً سوا سیر۔)واضح رہے کہ یہاں یہ خطاب حضرت خالد بن ولید اور اُن کے اُن ساتھیوں سے ہے کہ جو صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے۔اب آپ اندازہ لگائیں کہ جب حضرت خالد بن ولید جیسے صحابۂ کرام کا اللہ کی راہ میں اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنا اللہ کے نزدیک ان صحابہ کرام کے اس ایک مُد یا آدھے مُد کے برابر نہیں کہ جو انہوں نے ابتدائے اسلام میں راہِ خدا میں خرچ کیا تو پھر بعد کے عام مسلمان صحابہ کرام کے مثل کیسے ہو سکتے ہیں؟اور یہ مقدس صحابہ کرام فقہ وفتاویٰ میں صواب و درستگی سے کیسے محروم کیسے جاسکتے ہیں؟

② وعن عبد الله بن مغفل المزنی قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: الله الله فی اصحابی، الله الله فی اصحابی لا تتخذوهم غرضا بعدی، فمن احبهم فبحبی

احبهم، و من ابغضهم فببغضی ابغضهم، و من آذاهم فقد آذانی و من آذانی فقد آذی اللہ، و من آذی اللہ فیو شک ان یا خذہ۔ (ترمذی جلد ۵ /۶۵۳ کتاب المناقب)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مغفل سے روایت ہے کہ آقا ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میرے صحابہ کے سلسلہ میں اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو! میرے بعد انہیں نشانۂ تنقید و تنقیص نہ بناؤ کیونکہ جس نے اُن سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے اُن سے محبت کی اور جس نے اُن سے بغض رکھا تو میرے بغض کی وجہ سے اُن سے بغض رکھا اور جس نے انہیں ستایا اُس نے مجھے ستایا اور جس نے مجھے ستایا اُس نے اللہ کو ایذا پہونچائی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو بہت جلد اللہ اُس کی گرفت فرمائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام کی عداوت اللہ و رسول سے عداوت و دشمنی اور بغض و کینہ رکھنے کی علامت ہے۔

③ عن ابی بُردہ عن ابیہ قال: رفع یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأسہ الی السماء و کان کثیرا مما یرفع رأسہ الی السماء، قال النجوم امنۃ لاھل السماء، فاذا ذھبت النجوم اتی اھل السماء ما یوعدون و انا امنۃ لا صحابی، فاذا ذھبت اتی اصحابی ما یوعدون، و اصحابی امنۃ لا متی، فاذا ذھب اصحابی اتی امتی ما یوعدون۔ (مسلم جلد ۱۹۶۱/۳ کتاب فضائل الصحابۃ)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند حضرت ابو بُردہ اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنا سرِ مبارک آسمان کی طرف اُٹھایا اور آقا اکثر اپنا سرِ مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے تھے۔ اُس کے بعد آقا نے ارشاد فرمایا کہ تارے آسمان کے لئے امان ہیں لہٰذا جب تارے جاتے رہیں گے تو آسمان والوں کو وہ پہونچے گا جس کا اُن سے وعدہ ہے اور میں اپنے صحابہ کے لیے امان ہوں تو جب میں چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ پر وہ گزرے گا جس کا اُن سے وعدہ ہے اور میرے صحابہ میری امت کے لیے امان ہیں جب میرے

صحابہ چلے جائیں گے تو میری اُمت کو وہ پہونچے گا جن کا اُن سے وعدہ ہے۔

واضح رہے کہ قیامت میں پہلے تارے جھڑیں گے پھر آسمان پھٹیں گے اِس لیے جب تک آسمان پر تارے ہیں تو آسمان محفوظ ہیں اِسی طرح جب تک آقا ﷺ ظاہری حیات میں صحابہ کے درمیان موجود رہے صحابہ کرام آپسی لڑائی جھگڑوں سے محفوظ رہے۔ اِسی طرح جب تک صحابہ کرام موجود رہے تب تک فتنے اتنے عام نہ ہوئے مگر جیسے ہی دورِ صحابہ ختم ہوا دین میں بگاڑ وفساد اور فتنے بے انتہاء پیدا ہو گئے۔

④عن عمران بن حصین قال: قال رسول اللہ ﷺ خیر امتی القرن الذی بعثت فیھم، ثم الذین یلونھم، ثم الذین یلونھم۔ (مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت میں سب سے بہترین جماعت وہ ہے کہ جس میں میں مبعوث ہوا۔ پھر وہ لوگ جو اُس سے قریب ہوں پھر وہ جو اُن سے قریب ہوں۔

اس حدیث پاک میں پہلے قرن سے مراد صحابہ کرام، دوسرے سے تابعین تیسرے سے تبع تابعین۔ زمانۂ صحابہ ظہورِ نبوت سے ۱۲۰ر سال تک رہا یعنی ۱۰۰ر ہجری تک، زمانۂ تابعین ۱۰۰ر سے ۱۷۰ر ہجری تک اور زمانۂ تبع تابعین ۱۷۰ر ہجری سے ۲۲۰ر ہجری تک (مرآۃ المناجیح جلد ۶ر صفحہ ۳۳۹)

اس حدیث پاک سے تمام صحابہ کرام کا عادل واخیار ہونا مطلقاً ثابت ہے۔ اور جتنے بھی خیر اور بھلائی کے ابواب ومیدان ہیں سبھی میں صحابہ کرام کا عادل، مظفر، منصور اور اخیار ہونا ثابت ہے۔

عدالت صحابہ اقوال ائمہ کی روشنی میں: امام نووی فرماتے ہیں کہ الصحابۃ کلھم عدول یعنی تمام صحابہ عادل وثقہ ہیں۔

امام الحرمین فرماتے ہیں کہ: اُن کی عدالت کے سلسلہ میں تحقیق وتفتیش نہ کئے جانے کا سبب یہ ہے

کہ یہ صحابہ کرام شریعت کے علمبر دار ہیں لہٰذا اگر اِن کی روایت میں تفتیش عدالت کی بنیاد پر توقف ہو جائے تو شریعت مطہرہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے ہی تک محدود ہو جائے گی۔

حضرت ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ: اگر تم کسی شخص کو کسی صحابیٔ رسول کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے دیکھو تو جان لو کہ وہ بلا شبہ زندیق ہے کیونکہ ہمارے رسول حق، قرآن حق اور جو کچھ آقا لے کر آئے وہ حق اور یہ تمام چیزیں ہمیں صحابہ کرام ہی نے عطا فرمائیں۔ یہ زندیق چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام کو مجروح قرار دے کر قرآن وحدیث کے نصوص کو ہی مجروح کر ڈالیں۔

امام ابن صلاح کا قول ہے کہ: تمام صحابہ کرام کی عدالت پر پوری امت کا اجماع ہے۔ اب رہ گیا معاملہ حضرت علی اور حضرت معاویہ جیسے چند صحابہ کے درمیان ہونے والے مشاجرات کا تو اِن کا ثبوت علم تاریخ وغیرہ سے ہے جو صرف ظن کا افادہ کرتے ہیں لہٰذا ثبوت ظنّی، ثبوت قطعی کی تردید نہیں کرسکتا۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ جو کسی صحابی کی شان میں گستاخی کرے اُس کا فئ مسلم میں کوئی حق نہیں۔

تفضیل صحابہ اور عقیدۂ اہل سنت: یوں تو صحابہ کرام کی تعداد تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ (مرآۃ المناجیح، جلد ۷) اسی کے ساتھ ما قبل میں یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ تمام صحابہ کرام عادل وثقہ ہیں۔ مگر اب سوال اس بات کا ہے کہ ان صحابہ کرام میں سب سے افضل صحابی کون سے ہیں؟ تو اس سلسلہ میں ہم اہل سنت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد مطلقاً سب سے افضل صحابی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور اُن کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اِن دونوں کی افضلیت پر اہل سنت کا اجماع قائم ہے۔ اس اجماع کو نقل کرنے والے ابو العباس قرطبی فرماتے ہیں کہ ائمۂ سلف وخلف میں سے کسی کا اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں اور اہل تشیع اور اہل بدعت کے اقوال کی کوئی حیثیت نہیں۔ حضرت امام شافعی نے بھی صحابہ کرام اور تابعین حضرات کا تفضیل شیخین پر اجماع نقل کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر

کے افضل ہونے کے سلسلہ میں صحابہ کرام اور تابعین میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں البتہ حضرت علی اور حضرت عثمان میں سے کس کو کس پر افضلیت حاصل ہے اِس میں ضرور بعض لوگوں کا اختلاف ہے۔ مگر زیادہ تر اہل سنت کا رجحان اس طرف ہے کہ خلفائے راشدین میں افضلیت کا اعتبار اُن کی خلافت کے اعتبار سے ہے۔ یعنی سب سے پہلے حضرت ابو بکر پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حضرت ابو بکر کی افضلیت کے سلسلہ میں حضرت امام بخاری نے حضرت عمرو بن عاص کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے جب آقا ﷺ سے سوال کیا کہ آپ کے نزدیک لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ تو آقا ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اِن کے والد محترم! یعنی حضرت ابو بکر اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے بخاری شریف میں ایک روایت اس طرح درج ہے کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں حضرت ابو بکر کے برابر کسی کو نہ گردانتے، اُن کے بعد حضرت عمر کے برابر اور اُن کے بعد حضرت عثمان کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے۔

محمد بن حنفیہ کی روایت میں یہ ہے کہ میں نے اپنے والد صاحب سے پوچھا کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ تو انہوں نے حضرت ابو بکر کا نام لیا۔ میں نے کہا کہ اُن کے بعد تو اُنہوں نے حضرت عمر کا نام لیا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں حضرت عمر کے بعد وہ حضرت عثمان کا نام نہ لے لیں اس لیے میں نے جلدی سے کہا کہ عمر کے بعد آپ؟ تو حضرت علی نے فرمایا میں تو مسلمانوں کا صرف ایک فرد ہوں۔ ان روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہ میں سب سے افضل حضرت ابو بکر پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان غنی اور پھر حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم ہیں۔

صحابہ کرام اور فقہ اسلامی: قرآن کریم مجمل ہے جس کی توضیح حدیث نے فرمائی اور حدیث مجمل ہے جس کی تشریح شرعی اصولوں اور صحابہ کرام کے اقوال، افعال، اور احکام کی روشنی میں مجتہدین کرام

نے فرمائی۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اس ترتیب کو یوں بیان فرمایا گیا کہ: ''تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ'' یعنی قرآن کریم میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ تو کوئی ایسی بات نہیں جو قرآن میں نہ ہو مگر ساتھ ہی فرما دیا'' وَ مَا یَعۡقِلُہَاۤ اِلَّا الۡعٰلِمُوۡنَ '' یعنی اس کی سمجھ نہیں مگر عالموں کو۔ اسی لیے قرآن کریم کے مجملات اور اس کے نصوص کے محمل و مراد کو جاننے اور سمجھنے کیلیے قرآن کریم کا علم رکھنے والے نفوس قدسیہ کی بارگاہوں میں زانوئے ادب تہ کرنے کا یوں حکم دیا کہ'' فَسۡـَٔلُوۡۤا اَہۡلَ الذِّکۡرِ اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ '' ترجمہ: علم والوں سے پوچھو اگر تم نہ جانتے ہو۔ چونکہ علم والے محض اپنے علم اور اپنی عقل سے قرآن کو سمجھنے پر قادر نہیں بلکہ اس کے لیے انہیں آقا کریم ﷺ کے بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہونا ہوگا چنانچہ اسی آیت سے متصل اس بات کو یوں بیان فرمایا کہ:'' وَأَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيۡهِمۡ '' ترجمہ: اے نبی ہم نے یہ قرآن تیری طرف اس لیے اتارا کہ تو لوگوں سے شرح بیان فرمادے اس چیز کی جو ان کی طرف اتاری گئی۔ چاروں آیات کا ترتیب وار اب حکم یہ رہا کہ اے جاہلو! تم علما کے کلام کی طرف رجوع کرو اور اے عالمو! ہمارے رسول کا کلام دیکھو تو ہمارا کلام سمجھ میں آئے۔ (ماخوذ از فتاویٰ حامدیہ صفحہ ۱۲۶،۱۲۷ مطبوعہ رضوی کتاب گھر، دہلی)

نبی اکرم ﷺ جب تک اس ظاہری دنیا میں موجود رہے تب تک صحابہ کرام کو اپنے تمام تر مسائل دینیہ اور مسائل دنیویہ میں آقا ﷺ کی علاوہ کسی کی حاجت اور ضرورت نہ تھی۔ جب بھی انہیں کوئی ضرورت پیش آتی، یا قرآن کریم کی آیات کا محمل اور ان کی مراد سمجھنے کی ضرورت پڑتی یا کوئی نیا مسئلہ ان کے سامنے آتا اس کے سلسلہ میں وہ آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم سے سوال کرتے تب آقا یا تو وحی کے ذریعہ یا اپنے اجتہاد کے ذریعہ انہیں ان کا مطلوبہ جواب عنایت فرما دیتے۔ اسی طرح کبھی یوں بھی ہوتا کہ ہر صحابی آقا سے پوچھنے کی ہمت نہ کر پاتے یا یہ کہ انہیں براہ راست معلوم کرنے کا موقع میسر نہ آتا تو وہ دوسرے صحابہ سے اس مسئلہ کا حکم دریافت کر لیتے تو یہ صحابہ کرام اپنے اجتہاد کے ذریعہ اس کا جواب عنایت فرما دیتے۔ کبھی یوں بھی ہوتا کہ صحابہ کرام کسی حکم عمومی

کی توجیہ اپنے اجتہاد سے کرکے اس سے مسائل کااستخراج اپنے اپنے طور پر کرتے جس کی وجہ سے کبھی کبھی ایک فریق کا موقف دوسرے فریق کے خلاف ہوتا پھر آقا تک یہ معاملات پہنچتے تو جو فریق اپنے اجتہاد میں صواب پر ہوتا اس کو برقرار رکھتے اور تصویب فرما دیتے اور جس سے خطائے اجتہادی سرزد ہو جاتی اس کی خطائے اجتہادی کو واضح فرما دیتے مگر ایسی کوئی روایت نہیں ملتی کہ خطائے اجتہادی کرنے والے صحابہ کرام پر اللہ کے رسول ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا ہو یا ان کی اتباع میں اس پر عمل کرنے والے لوگوں سے توبہ کا مطالبہ کیا ہو کیونکہ یہ خطا، خطائے عنادی نہیں بلکہ خطائے اجتہادی، وہ بھی خطائے مقرر کہ جس کے صاحب پر انکار نہیں کیا جاتا۔ اس لیے کہ یہ وہ خطائے اجتہادی ہے جس سے دین میں کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوتا جیسے احناف کے نزدیک مقتدی کا امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا۔ (ماخوذ از بہار شریعت جلد اول صفحہ ۲۵۶ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ کراچی)

بلکہ اس خطا پر تو مجتہد کو اجر دیا جاتا ہے۔ نیز اصول شرع اگرچہ چار ہیں کتاب اللہ، حدیث رسول اللہ، اجماع اور قیاس مگر اصولی حضرات نے صحابہ کرام کے ان اقوال کو کہ جن کا حکم معقول نہ ہوا نہیں اجماع میں اور جن کا حکم معقول ہو اُن کو قیاس میں داخل فرمایا ہے لہٰذا اقوال صحابہ بھی اصول شرع کا ہی حصہ ہیں۔ (ماخوذ از نور الانوار صفحہ ۹ مطبوعہ مجلس برکات) یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ تمام صحابہ کرام علم وفقہ میں برابر نہیں تھے۔ اس لئے غیر مجتہد صحابہ مجتہد صحابہ کرام کے احکام پر عمل پیرا ہوتے۔

یہ تو ان صحابہ کرام کا معاملہ تھا کہ جو مدینہ طیبہ میں زندگی بسر فرماتے تھے۔ مگر وہ مسلمان جو ممالک مفتوحہ اور دور دراز کے علاقوں میں رہتے تھے تو وہ اپنے مسائل کا حل ان صحابہ کرام سے دریافت کرتے کہ جو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے ان دور دراز کے علاقوں میں وفد کی صورت میں بھیجے جاتے تھے۔ آقا کریم ﷺ کے زمانہ تک شریعت اسلامیہ کے مسائل کا

حل مذکورہ بالا طریقوں پر ہوتا رہا لیکن جب آقا کریم ﷺ اس ظاہری دنیا سے تشریف لے گئے تو سلطنت تشریعیہ خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ کرام کی طرف منتقل ہوگئی۔ جیسے جیسے سلطنت اسلامیہ اور فتوحات اسلامیہ کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا ویسے ویسے مسائل جدیدہ بھی سامنے آتے رہے۔ ان ممالک مفتوحہ میں چونکہ صحابہ کرام کی مقدس جماعت کثیر تعداد میں پھیل چکی تھی اس لئے جو بھی مسائل درپیش ہوتے تو مقامی سطح پر جو بھی صحابہ کرام وہاں ہوتے وہ ان مسائل کا حکم اور فیصلہ کتاب اللہ اور احادیث رسول کی روشنی میں جاری فرمادیتے۔ اگر کوئی مسئلہ ایسا ہوتا کہ جس کا حکم واضح طور پر وہ کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ میں نہیں پاتے تو اس کا جواب اپنے اجتہاد اور اپنی رائے کے ذریعہ پیش فرمادیتے کیونکہ کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ میں عدم وجدان کی صورت میں انہیں اسی کا حکم تھا جیسا کہ حدیث معاذ بن جبل میں اس کی تصریح ہے۔ سارے مسلمان ان فیصلوں پر عمل کرتے کیونکہ وہ تمام صحابہ کو عادل، ثقہ اور اپنے لیے مشعل راہ، اپنا ھادی و رہنما، دین کی حجتیں اور ہدایت و رہنمائی کے ستارے جانتے۔ قرآن و حدیث اور اجماع امت کے مقتضیات کی روشنی میں ان کی اقتداء کو اپنے لیے لازم اور باعث اہتداء جانتے۔ نیز ان کے بتائے ہوئے احکام پر نہ صرف یہ کہ وہ خود عمل کرتے بلکہ ان احکام کو امت مسلمہ کے ہر فرد تک پہنچانے میں اور ان کی ترسیل و تبلیغ میں دل و جان سے کوشاں رہتے۔ انہیں محفوظ رکھتے، ان کو ذخیرہ کرتے۔ ان کی جمع و تدوین کا اہتمام کرتے۔ اگر کسی کو ان کے حوالے سے پہنچے کسی مسئلہ میں تردد ہوتا تو وہ اپنے ذہنی خلجان کو دور کرنے کے لیے دور دراز کا سفر طے کرتے حجاز مقدس، کوفہ، بصرہ، شام، مصر وغیرہ ان جگہوں پر آتا کہ جہاں متعلقہ صحابہ کرام کی مقدس جماعت اقامت پذیر ہوتی۔ وہ دریافت کرتا اور یہ اس کی تصدیق و توضیح کردیتے۔ اس طرح فقہ اسلامی کی ترتیب و تدوین ہوتی رہی اور مسائل فقہیہ کی جمع و تدوین کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مسائل شرعیہ دینیہ کی جمع و تدوین اور اس کا یہ ذخیرہ صحابہ کرام کی اقتدا اور ان کے اقوال، افعال اور احکام پر عمل کرنے

اورانہیں عادل وثقہ ماننے جاننے اورتسلیم کرنے ہی پر مبنی ہے۔

ماقبل میں یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ بے شمار صحابہ کرام حجاز مقدس سے نکل کر ممالک مفتوحہ میں پھیل گئے تھے۔جن میں سے کچھ ممالک محروسہ کے انتظامات میں مصروف رہتے، کچھ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرتے، کچھ اسلامی لشکر میں شامل ہوکر جہاد کے فرائض انجام دیتے اور کچھ حضرات علوم دینیہ کی ترویج واشاعت کے لیے اپنی زندگی کو وقف کرکے علوم دینیہ کے تشنگان کو سیراب کرتے جس کا حکم خود قرآن میں موجود ہے کہ'' فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ '' یہ حضرات ان شہروں کے حاکموں کے مشیر بھی ہوتے اور معلم بھی، مفتی بھی ہوتے اور قاضی بھی۔ چنانچہ کوفہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعود، مصر میں عبداللہ بن عمرو بن عاص، بصرہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت انس بن مالک، شام میں حضرت معاذ بن جبل ،حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت ابو درداء مستقل طور پر قیام پذیر ہوگئے۔ان شہروں اوران کے مضافات کے علاقوں میں زندگی بسر کرنے والے مسلمان اپنے دینی وشرعی مسائل میں ان اکابر صحابہ کی طرف رجوع کرتے اوراپنے مسائل شرعیہ کا حل حاصل کرتے۔اس کے ساتھ ہی یہ اکابر صحابہ کرام ان علاقوں میں اپنی علمی محفلیں اور درسگاہیں بھی سجاتے جن میں دینی علوم ومعارف کے شائق وشیدا حضرات ان سے استفادہ کرتے، ان کی شاگردی اختیار کرتے اورعلوم دینیہ یعنی قرآن وحدیث کی افہام وتفہیم میں درک ومہارت حاصل کرتے۔مگر بہت سے صحابہ کرام حجاز مقدس ہی میں تشریف فرمارہے جیسے مکۃ المکرمہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس، مدینہ طیبہ میں حضرت زید ابن ثابت اور حضرت عبداللہ ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔مکۃ المکرمہ اورمدینہ طیبہ کے رہنے والے حضرات خصوصاًاوردیگر ممالک اورعلاقوں کے ضرورت منداورعلوم دینیہ کی تحصیل کے شائق حضرات حجاز مقدس میں زندگی بسر کرنے والے ان اکابر صحابہ کرام کی طرف رجوع کرتے اور ان سے استفادہ کرتے۔(الاصابۃ جلداول مقدمہ مفہوماًواختصاراً)

جیسے جیسے مسلمانوں کی ضرورتوں کا دائرہ وسیع ہوتا گیا ویسے ویسے ان صحابہ کرام کے افادہ و استفادہ کی ان علمی محفلوں اور درسگاہوں کی اہمیت وافادیت بھی بڑھتی چلی گئی۔دوردراز سے بے شمار مسلمان ان موارد ومناہل اور علوم اسلامیہ کے ان سرچشموں پر آکر اپنی علمی پیاس بجھاتے، شب وروز ان اکابر صحابہ کرام کی خدمت میں رہ کر علوم دینیہ کے موتی چنتے۔ہر وقت قال اللہ و قال الرسول کے جانفزا نغمات شیریں سے علم وعمل کے یہ شائق اپنے وجود کو مسرور و مسحور کرتے۔اس طرح ابتدائے اسلام میں علوم دینیہ وفقہیہ کے دو بڑے مراکز وجود میں آئے جنہیں تاریخ اسلام میں ''مدرستہ المدینہ/مدرستہ الحجاز'' اور ''مدرستہ الکوفہ مدرستہ العراق'' کے نام سے جانا گیا۔

مدرستہ المدینہ: چونکہ حجاز مقدس نزول وحی کا مہبط وعلاقہ ہے۔اس کے ساتھ ہی مکتہ المکرمہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے پیدائش اور مدینہ منورہ آپ کی جائے ہجرت ہونے کے ساتھ آخری آرامگاہ بھی ہے۔نیز حجاز مقدس اکابر صحابہ کرام کا وطن اصلی بھی ہے جہاں آقا نے اپنے صحابہ کرام کے ساتھ زندگی بسر فرمائی۔اسی مقدس خطے سے اسلام کا سورج نمودار ہوا اور یہیں سے اسلام کا پیغام پوری دنیا میں نشر کیا گیا۔اس کی اسی اہمیت اور عظمت کے پیش نظر پوری دنیا کے مسلمان ان دونوں شہروں سے جس قدر محبت وعقیدت رکھتے ہیں اتنی کسی اور شہر سے نہیں رکھتے ان دونوں شہروں سے محبت اور عقیدت رکھنے کو وہ ایمان ہی کا حصہ لازمہ سمجھتے ہیں۔اس وجہ سے مکتہ المکرمہ اور مدینہ طیبہ اسلام کے اولین اور اصلی مراکز، تبلیغ اسلام کا منبع اور علوم اسلامیہ کا سرچشمہ بنے۔اکابر صحابہ کی موجودگی میں مدرستہ المدینہ کے بانی کی حیثیت سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ متعارف ہوئے۔ان کے بعد مدرستہ المدینہ یا مدرستہ الحجاز کے سربراہ حضرت سعید بن مسیب بنے جو اس وقت اہل حرمین کے درمیان ایک ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔اس مرکز کی اہم شخصیات میں سات حضرات کو شمار کیا گیا۔جنہیں تاریخ اسلام ''فقہائے سبعہ بالمدینہ'' کے نام سے جانتی ہے۔ان سب کا سلسلۂ تلمذ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ان ساتوں حضرات کے اسماء

یہ ہیں۔(۱) حضرت سعید بن مسیب (۲) حضرت عروہ بن زبیر (۳) حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق (۴) حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام (۵) حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود (۶) حضرت سلیمان بن یسار (۷) حضرت خارجہ بن زید بن ثابت۔

مدرسۃ الکوفہ/ مدرسۃ العراق: پہلی صدی ہجری کے نصف میں عراق کے اندر علوم دینیہ فقہیہ کا ایک اور اہم مرکز اور ایک اور اہم سرچشمہ قائم ہوا جس کی بنیاد کوفہ میں پڑی۔اس مرکز کے بانی کی حیثیت سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ متعارف ہوئے۔ان کی علمی محفل میں بے شمار علاقائی مسلمانوں کے علاوہ دور دراز کے خطوں اور ممالک محروسہ میں زندگی بسر کرنے والے اہل ایمان اپنے مسائل کا حل دریافت کرتے۔بے شمار طالبان علوم دینیہ رات و دن ان کی خدمت میں رہ کر استفادہ کرتے،ان کے خوان علم و فضل سے علوم و معرفت اور حکمت و روحانیت کے درخشاں و تاباں جواہر چنتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کرنے والے حضرات کی تعداد چھ ہے۔جنہیں ''فقہائے ستہ بالکوفہ'' کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) حضرت علقمہ بن قیس نخعی (۲) حضرت اسود بن یزید نخعی (۳) حضرت مسعود بن یزدہ ہمدانی (۴) حضرت عبیدہ بن عمرو سلمانی (۵) حضرت شریح بن حارث قاضی (۶) حضرت حارث اعور۔

(الاصابۃ جلد ۱، مقدمۃ التحقیق مفہوماً و اختصاراً)

فقہ حنفی کا سرچشمہ یہی مدرسۃ الکوفہ ہے۔مسائل فقہ حنفی کے زیادہ تر مسائل کی مستدل احادیث کریمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی ہی مرویات میں سے ہیں۔اس کے برخلاف فقہ شافعی،فقہ مالکی اور فقہ حنبلی کے زیادہ تر مسائل کا منبع مدرسۃ المدینہ ہے۔نیز امام شافعی اکثر مسائل میں حضرت عبداللہ ابن عباس کے تابع ہیں جس طرح حضرت امام اعظم اکثر مسائل میں حضرت ابن مسعود کے تابع۔

یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ صحابہ کرام کی مقدس جماعت میں دو طرح کے حضرات تھے ۔ (۱) مجتہد صحابہ کرام (۲) غیر مجتہد صحابہ کرام ۔لیکن یہ تقسیم تو روز بروز درپیش آنے والے ان مسائل جدیدہ کے اعتبار سے ہے کہ جن کا واضح حکم قرآن و حدیث میں نہیں ہوتا تو وہ صحابہ کرام جنہوں نے بارگاہ نبی ﷺ سے براہ راست علوم اسلامیہ کی تحصیل کی، رات و دن سفر و حضر میں آقا کی خدمت میں رہ کر تفقہ اور علم تشریعی حاصل فرمایا، کاروان حیات کے ہنگاموں سے دور رہ کر ’’اب تو غنی کے در پہ بستر جما دیئے ہیں‘‘ کا مظہر تاباں بن کر حضور ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے جاری ہونے والے علوم و حکمت کے موتیوں سے اپنے دامنوں کو پُر کرنے میں لگے رہتے ۔آقا کے ہر قول و فعل اور تقریر کو محفوظ کرتے، آقا نے کسے کیا حکم دیا، کس کے فعل کو برقرار رکھا، کس کے قول و فعل پر نکیر فرمائی، کس موقع اور کن حالات میں کن لوگوں کو کیا حکم دیا؟ کیسے اٹھتے، کس طرح بیٹھتے، کس طرح چلتے کس انداز میں سوتے، کیا پسند فرماتے اور کیا ناپسند فرماتے، کیسے وضو فرماتے، کیسے نماز ادا فرماتے، کیا کھاتے؟ اور کیا پیتے، کیا پہنتے اور کیا اوڑھتے، کس طرح خرید و فروخت کرتے، عبادات، معاملات، اور حدود و قصاص کے باب میں کیا کہا، کیا کیا اور کیا برقرار رکھا۔غرض کہ آقا کی ہر ادا کو یہ اپنے قلب و ذہن کی تختی پر محفوظ بھی رکھتے اور ان کی تبلیغ و ترسیل بھی کرتے ۔انہیں سب باتوں کو پیش نظر رکھ کر صحابہ کرام کی یہ مقدس جماعت روز بروز درپیش آنے والے نت نئے مسائل اجتہادیہ میں اپنے اجتہاد کے ذریعہ فیصلہ صادر فرماتی اور اسی کے مطابق حکم شرع بیان فرمادیتی ۔اب رہ گئے وہ صحابہ کرام جو درجۂ اجتہاد پر فائز نہ تھے یہ حضرات ان ہی مجتہد صحابہ کرام کی اتباع کرتے ۔ان مسائل اجتہادیہ میں مذکورہ خصوصیات کے حامل صحابہ کرام کے ذریعہ جاری کردہ احکام پر خود بھی عمل کرتے اور دوسروں کو بھی ان پر عمل کرنے کی تلقین کرتے ۔ان احکام کو دوسروں تک پہنچانے کی سعی و کوشش کرتے اور ضرورت کے وقت مجتہد صحابہ کرام کے ذریعہ جاری کردہ احکام سے استشہاد بھی کرتے ۔

ان ساری تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام مسائل منصوصہ وواضحہ میں صحابہ کرام کے اقوال و افعال قرآن و حدیث کے عین مطابق ہوتے اور مسائل اجتہادیہ میں غیر مجتہد صحابہ کے اقوال و افعال مجتہد صحابہ کے اقوال، افعال اور احکام کے مطابق ہوتے۔ اسی لئے دور صحابہ کے بعد والے لوگوں کو قرآن و حدیث کی تفہیم، قرآن و حدیث سے مسائل شرعیہ کے استخراج اور ان مصادر سے احکام شرعیہ کے استنباط و استدلال میں صحابہ کرام کے اقوال و افعال کی ضرورت پیش آئی۔ خواہ وہ اقوال و افعال مجتہد صحابہ کرام کے ہوں یا غیر مجتہد صحابہ کرام کے۔ نیز مجتہد صحابہ کرام کے یہ اقوال، افعال اور احکام اگر چہ صورتاً ان کی طرف منسوب ہیں مگر درحقیقت ان کا مورد وسر چشمہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور احکام، مجتہد صحابہ کرام کے اقوال، افعال اور احکام ہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ مجتہدین نے فقہ اسلامی کی ترتیب وتدوین میں اپنے اجتہاد کے ذریعہ جن مسائل کا بھی استنباط کیا انہیں قرآن وحدیث اور آثار صحابہ کے مطابق مانا گیا۔ استنباط مسائل میں ان مجتہدین کرام نے قرآن و حدیث کی تفسیر، تشریح، توضیح اور ان کی مراد کی تعیین میں صحابہ کرام کی مقدس جماعت میں سے جس کسی صحابی رسول کے قول و فعل پر اعتماد و استناد کیا اور اس سلسلہ میں جس صحابی رسول کا بھی دامن تھام کر ان کی اقتدا و پیروی کی تو وہ منزل مقصود تک پہونچ گیا۔ اسی مفہوم کا پتہ آقا ﷺ کی ایک حدیث سے بھی ملتا ہے کہ ”**عن عمر بن الخطاب قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول سألت ربی عن اختلاف اصحابی من بعدی فأوحی الی یا محمد ان اصحابک عندی بمنزلۃ النجوم فی السماء بعضھا اقوی من بعض و لکل نور فمن اخذ بشیٔ مماھم علیہ من اختلافھم فھو عندی علیٰ ھدی**“۔ ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنے رب سے اپنے صحابہ کے اختلاف کے متعلق سوال کیا جو میرے بعد ہوگا تو مجھے وحی فرمائی گئی کہ اے محمد تمہارے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں کہ ان کے بعض بعض سے قوی ہیں اور سب میں نور

ہےتو جس نے ان کے اختلاف میں سے کچھ حصہ لیا کہ جس پر وہ ہیں تو وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے۔واضح رہے کہ یہاں اختلاف سے مراد اجتہادی،علمی،عملی یعنی فقہی وشرعی مسائل میں اختلاف ہے۔جو شخص کسی بھی صحابی کے فتوے پر عمل کرے گا نجات پا جائے گا۔لہٰذا ائمہ مجتہدین جیسے حضرت امام اعظم اور امام شافعی وغیرہم صحابہ ہی کے مقلد ہیں۔(مرآۃ المناجیح جلد ۶ صفحہ ۳۴۵،باب مناقب الصحابہ)

اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے ظاہر اور اجماع کی رو سے تمام صحابہ مطلقاً عادل وثقہ ہیں جیسا کہ ملا علی قاری نے فرمایا کہ ”والصحابۃ کلھم عدول مطلقاً لظواھر الکتاب والسنۃ واجماع من یعتد بہ“(مرقاۃ باب مناقب الصحابۃ) نیز ان مجتہدین کے بیان کردہ مسائل پر ان کے مقلدین نے جو عمل کیا انہوں نے حق ہی پر عمل کیا اور وہ قرآن وحدیث ہی پر عمل کرنے والے کہلائے۔

حدیث اصحابی کالنجوم: علوم اسلامیہ اور مسائل دینیہ وشرعیہ میں صحابہ کرام کی اسی اہمیت ،افادیت،حیثیت اور اُن کی اسی امانت داری کے پیش نظر نبی اکرم ﷺ نے ان کی اقتدا و پیروی کرنے،ان کو بھلائی کے ساتھ یاد کرنے،ان کی شخصیات دینیہ کو ہادی و رہنما ماننے،ان سب کو عادل وثقہ تسلیم کرنے،ان کی ذوات مقدسہ کو نشانہ تنقید بنا کر اُن کی حیثیت دینیہ کو مجروح نہ کرنے،اُن کو سب وشتم نہ کرنے،انہیں برا نہ کہنے اور انہیں دین کی حجتیں ماننے کا حکم ایسی بہت سی حدیثوں کے ذریعہ آقا کریم ﷺ نے جاری فرمایا جو قرآن پاک کے حکم کے مطابق ہے۔ان میں سے بہت سی حدیثیں وہ ہیں کہ جو محدثین کے معیار و منہج پر درجۂ صحت تک پہنچی ہوئی ہیں۔مگر کچھ وہ ہیں کہ جو ان محدثین کی کسوٹی کے مطابق اصطلاحاً درجۂ صحت تک تو نہیں پہنچتی کہ اُن کی سندوں میں ضعف اور ان کے راوی متکلم فیہ ہیں۔مگر انہیں ہر دور کے علمائے ملت اسلامیہ کا قبول عام حاصل رہا ہے،ان کے درمیان وہ حدیثیں مشہور بھی رہی ہیں اور اُن کی نقل وکتابت بھی ہوتی رہی ہے۔اہل علم نے اُن پر عمل بھی کیا ہے اور اُن سے استناد بھی،بلکہ انہوں نے ان

حدیثوں کو اپنی کتابوں میں نقل کرنے کے بعد مسائل کا استخراج بھی فرمایا ہے۔

صحابہ کرام کی اقتدا و اتباع کا حکم دینے والی، انہیں امت کا ہادی و رہنما اور محافظ و پاسبان ماننے کی دعوت دینے والی اور بہت سی صحیح حدیثوں کے مذکورہ مفہوم سے یکسانیت و متابعت رکھنے والی ایک حدیث پاک یہ بھی ہے جس میں آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''**اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم**'' یعنی میرے تمام صحابہ ستاروں کے مثل ہیں تم ان میں سے جس کسی کی بھی پیروی کروگے ہدایت پا جاؤ گے۔

حدیث اصحابی کالنجوم کی تخریج: یہ حدیث پاک الفاظ کے اختلاف اور معانی کی یکسانیت کے ساتھ (۱) حضرت عمر (۲) حضرت عبد اللہ بن عمر (۳) حضرت جابر بن عبد اللہ (۴) حضرت ابو ہریرہ (۵) حضرت انس بن مالک (۶) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے چھ مقدس صحابہ کرام سے مروی ہے۔ جسے مندرجہ ذیل کتابوں میں نقل کیا گیا ہے:

ابن عبد البر کی کتاب جامع بیان العلم، خطیب کی الکفایہ فی علم الروایہ، بیہقی کی المدخل، دیلمی کی فردوس، دیلمی ہی کی مسند، ابن عساکر کی تاریخ دمشق، ابن عدی کی کامل، آجری کی الشریعہ، عبد بن حمید کی مسند، ابن بطہ کی الابانہ، علامہ ابن حجر کی موافقہ اور الامالی، قاضی عیاض کی الشفاء (جلد ۳ صفحہ ۴۲۵ مطبوعہ برکات رضا پور بندر گجرات)۔ ان کے علاوہ متقدمین و متاخرین کی اور بھی بہت سی کتابوں میں یہ حدیث پاک نقل کی گئی ہے۔

حدیث اصحابی کالنجوم کی سندیں: جیسا کہ مذکور ہوا کہ یہ حدیث پاک مندرجہ بالا کتابوں میں چھ صحابہ کرام کے حوالہ سے منقول ہے۔ جسے مذکورہ بالا ائمہ نے اپنی مختلف سندوں سے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ اب ہم ہر ایک صحابی کی مروی اس حدیث پاک کی سندوں پر اجمالی گفتگو کریں گے۔

(۱) حدیث عبد اللہ بن عمر کی سند: حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی اس حدیث پاک کو عبد بن

حمید نے اپنی مسند میں ،انہیں کی سند سے علامہ ابن حجر نے الامالی المطلقہ اور موافقۃ الخبر الخبر میں احمد ابن یونس کے حوالہ سے اور ابن بطہ نے الابانۃ الکبریٰ میں موسیٰ بن اسحاق انواری کے حوالہ سے یہ حدیث پاک نقل کی ہے۔پھر آجوری نے شریعہ میں،ابن عدی نے کامل میں ،ابوالفضل زہری نے اپنی کتاب ''حدیثہ'' میں''ابن بطہ نے الابانۃ الکبریٰ میں عمرو بن عثمان کلابی سے۔پھر ابن یونس اور کلابی نے ابوشہاب الحناط سے اور ابن عدی نے کامل میں غسان بن عبید سے پھر ابوشہاب اور غسان بن عبید نے حمزہ بن ابی حمزہ الجزری النصیبی سے،انہوں نے نافع سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاًیہ حدیث روایت کی۔اس طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت کی مندرجہ ذیل سندیں ہوئیں۔

(۱) عبد بن حمید نے احمد بن یونس سے انہوں نے ابوشہاب سے انہوں نے حمزہ ابن ابی حمزہ جزری نصیبی سے انہوں نافع سے انہوں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے۔

(۲) آجری و ابن عدی و ابوالفضل الزہری و ابن بطہ نے عمرو بن عثمان کلابی سے انہوں نے ابوشہاب سے انہوں نے حمزہ سے انہوں نے نافع سے انہوں نے ابن عمر سے۔

(۳) ابن عدی نے کامل میں غسان بن عبید سے انہوں نے حمزہ سے انہوں نے نافع سے انہوں نے عبداللہ بن عمر سے۔

نوٹ:ان سندوں میں سے عمر بن عثمان کلابی عن ابی شہاب والی روایت عن احمد یونس والی روایت سے عالی ہے۔

مذکورہ بالا سندوں سے مروی اس حدیث کا دارومدار حمزہ بن ابی حمزہ جزری پر ہے جنہیں متروک الحدیث، متہم بالوضع کہا گیا ہے۔حضرت امام احمد بن حنبل نے انہیں مطروح الحدیث ،ابن معین نے''لیس یساوی فلساً''اور امام بخاری نے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔نافع سے اس حدیث کی روایت میں یہ تنہا ہیں جسے ان کے علاوہ کسی نے بھی نافع سے روایت نہیں کیا۔

(۲)حدیث جابر بن عبداللہ کی سندیں: حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ حدیث دوسندوں سے مروی ہے۔

(۱)دارقطنی نے فضائل الصحابہ اور المؤتلف والمختلف میں اورانہیں کی سند سے ابن حزم نے احکام میں،ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں،ابن مندہ نے فوائد میں،ابن حجر نے امالی اور موافقہ میں اورابوطاہر سلفی نے المشیخۃ البغدادیۃ میں سلام بن سلیمان سے،انہوں نے حارث بن غصین سے انہوں نے اعمش سے انہوں نے ابوسفیان سے انہوں نے جابر بن عبداللہ سے یہ حدیث مرفوعاً روایت کی۔

اس سند کامدار حارث بن غصین پر ہے۔

(۲)دارقطنی نے غرائب مالک میں جمیل بن یزید سے انہوں نے مالک بن انس سے انہوں نے جعفر بن محمد سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً یہ حدیث روایت کی۔

(۱)اس حدیث کی پہلی سند کے راوی سلام بن سلیمان کی کچھ ائمہ نے تضعیف فرمائی ہے۔ اوران کی کچھ احادیث میں منکر حدیثیں بتائی گئی ہیں۔چنانچہ ابوحاتم نے انہیں''لیس بالقوی''، عقیلی نے''فی حدیثہ عن الثقات مناکیر''،ابن عدی نے''ھو عندی منکر الحدیث''بتایا ہے۔ان کے شیخ حارث بن غصین کاذکرامام بخاری نے تاریخ کبیر میں کیامگران کے سلسلہ میں نہ کوئی جرح ذکرکی اورنہ ہی تعدیل،ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیاہے۔مگرابن عبدالبر اور علائی نے ان پرمطلقاً مجہول ہونے کاحکم لگایاہے۔البتہ زرکشی نے مجہول الحال کامقید حکم لگایا۔علائی نے کہاکہ میں نے ان کے ذکرمیں نہ توثیق پائی نہ جرح۔زرکشی نے کہاکہ میں ان کے ذکرمیں سے کچھ نہیں جانتا۔البتہ ابن حجر نے فرمایاکہ ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکرکیاہے۔ابن عبدالبر نے سلام بن سلیمان کی مذکورہ سند سے مروی اس حدیث کی تضعیف فرمائی۔چنانچہ ابن عبدالبر نے

کہا ”**هذا اسناد لا تقوم به حجة لان الحارث بن غصين مجهول**“۔

یہ حدیث جتنی بھی سندوں سے مذکور ہوئی ان میں سب سے عالی سند یہی ہے۔اب رہا ابن عبد البر،ابن حزم اور علائی کا حارث پر مجہول ہونے کا طعن تو علامہ ابن حجر نے اسے یوں ردّ فرمادیا کہ عام ائمہ جرح وتعدیل سے ان کے سلسلہ میں جرح وطعن مذکور نہ ہوا۔سوائے ان تینوں حضرات کے جب کہ اس کے برعکس ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان سے حسین بن علی جعفی نے روایت لی ہے لہٰذا اب ان سے روایت لینے والے حضرات کی تعداد دو ہوگئی۔اب ان کی توثیق کی جائے گی اور انہیں مجہول نہ کہا جائے گا۔(مفہوماًواختصاراً)

حارث سے روایت لینے والے سلام بن سلیمان کہ جن پر عقیلی،ابن عدی،ابو حاکم اور ابن حزم نے کلام کیا ہے تو اس کے رد کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ امام نسائی نے اپنے بعض مشائخ سے ان کی توثیق نقل کی ہے۔اس کے علاوہ صحیح سند سے مروی حضرت عبد اللہ ابن عباس کی اُس حدیث سے اس کا شاہد بھی موجود ہے۔جس سے اس حدیث کے مفہوم ومعنیٰ کی تائید ہوتی ہے کہ جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت فرمایا جس کے الفاظ یہ ہیں:”**النجوم امان لاهل السماء والاصحابی امان لامة**۔“پہلی حدیث میں صحابہ کو نجوم سے تشبیہ دی گئی اور دوسری میں نجوم وصحابہ کا اطلاق یکساں طور پر کیا گیا جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صحابہ کو نجوم سے تشبیہ دینا صحیح ہے۔پھر چونکہ سمندر کی گھٹا ٹوپ اندھیریوں اور سمندر کی ہولناک لہروں کے درمیان سمندری سفر میں ستاروں سے ہی رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔اسی طرح صحابہ کرام کے زریں دور گزر جانے کے بعد جب دین میں نت نئے فتنے جنم لینے لگیں تو فتنوں،بدعتوں،بدعقیدگیوں سے بھرپور اور سنتوں کو مٹانے والے تیرہ وتاریک اس دور میں صحابہ کرام کے اقوال،افعال اور احکام سے روشنی،ہدایت اور رہنمائی حاصل کی جائے گی۔اهتداء یعنی ہدایت حاصل کرنا یہ اقتدا کی فرع ہے کیونکہ بنا اقتدا کے یہ رہنمائی ممکن و متصور نہیں۔(ماخوذ مرقاۃ باب مناقب الصحابہ)

لہٰذا مذکورہ تشریح کے مطابق حدیث اصحابی کالنجوم کے مفہوم کی تائید حدیث مسلم سے بجا طور پر ہو رہی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ علامہ ابن حجر نے اگرچہ اولاً اس سند سے مروی اس حدیث کو "ضعیف واہ" یعنی یہ حدیث ضعیف واہی ہے کہا اور ساتھ ہی ابن حزم کا قول "موضوع باطل" نقل کیا مگر پھر استدراک کے طور پر امام بیہقی کا مذکورہ قول کہ حدیث سے اس کے معنی کی تائید ہوتی ہے، نقل فرما کر جہاں ابن حزم کے قول "موضوع باطل" کا صریح ردّ فرمایا وہیں اصحابی کالنجوم کی توثیق بھی فرمادی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ سند سے مروی یہ حدیث ضعیف سے ترقی کر کے حسن کا درجہ اختیار کر چکی ہے۔

(۲) اس حدیث کی دوسری سند جو جمیل بن یزید عن مالک بن انس ہے اس کے سلسلہ میں کہا گیا کہ اس کی اسناد میں مجہول راوی ہیں۔ جن کی وجہ سے اس حدیث کی تضعیف کی جائے گی۔ "دارقطنی" نے اس کی تخریج کے بعد کہا کہ یہ مالک سے ثابت نہیں ہے اور اس کو مالک سے روایت کرنے والے راوی مجہول ہیں۔ ابن ملقن نے کہا: اس جمیل کو میں نہیں پہچانتا۔ حالانکہ مذکورہ طعن سے کوئی شدید حکم نہیں لگتا اور پھر یہ کہ ان کے راویوں سے الزام جہالت کو بھی رفع کر دیا گیا ہے۔

(۳) حدیث ابوہریرہ کی سندیں: اس حدیث کو قضاعی نے مسند شہاب میں جعفر بن عبدالواحد ہاشمی سے اور انہوں نے وہاب بن جریر بن حازم سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے ابوصالح سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ اس حدیث کا دارومدار جعفر بن عبدالواحد ہاشمی پر ہے اور وہ اسے اس سند سے روایت کرنے میں متفرد ہیں۔ ابن حبان نے ان کے بارے میں کہا کہ "یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو حدیث سرقہ کرتے ہیں اور حدیثوں میں الٹ پھیر کر دیتے ہیں چنانچہ یہ حدیث کے اس متن صحیح کو جو اپنی کسی ایک سند سے مشہور رہے اسے دوسری سند سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ ان کی یہ کاریگری محسوس نہیں ہو پاتی اور یہ اپنی روایت میں

''حدثنا'' نہیں کہتے بلکہ''قال لنا فلاں بن فلاں'' کہتے ہیں''۔ذہبی نے اس حدیث کو ذکر کر کے جعفر بن عبدالواحد کے حالات کے ضمن میں کہا کہ''یہ حدیث جعفر کی بلاؤں میں سے ہے''۔زیلعی نے جعفر بن عبدالواحد کی وجہ سے اس حدیث کو معلول قرار دیا۔ابن حجر نے کہا کہ''اس کی اسناد میں جعفر بن عبدالواحد ہے اور وہ کذاب ہے''۔حالانکہ آگے اس بات کی وضاحت آرہی ہے کہ علامہ ابن حجر سے جعفر کی توثیق منقول ہے۔

(۴)**حدیث عمر بن خطاب کی سندیں:** دارمی نے اس حدیث کو علل میں،ابن عدی نے کامل میں، ابن بطہ نے ابانہ میں،ابوذرحربی نے کتاب السنہ میں،بیہقی نے مدخل میں،خطیب بغدادی نے فقیہ اور کفایہ میں،نظام الملک نے امالی میں،ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں،ابن حجر نے موافقہ میں اور ابوطاہر سلفی نے مشیخہ میں،نعیم بن حماد سے انہوں نے عبدالرحیم بن زید عمی سے،انہوں نے اپنے والد سے،انہوں نے سعید بن مسیب سے،انہوں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً اس حدیث کا شاہد روایت کیا۔اس حدیث کے راوی نعیم بن حماد کو حدیث کا امام کہا جاتا ہے۔البتہ عبدالرحیم بن زید کے بارے میں ابن معین اور امام بخاری نے''ترکوہ'' اور ابوداؤد نے ''لا یکتب حدیثہ'' اور ابوحاکم نے''ترک حدیثہ'' فرمایا ہے۔اس کے علاوہ اس حدیث میں اضطراب کا بھی قول کیا گیا ہے۔اس اضطراب کی وجہ ائمہ نے یہ ذکر کی ہے کہ عبدالرحیم کے والد زید عمی کبھی تو یہ حدیث سعید بن مسیب عن عمر روایت کرتے ہیں اور کبھی عن سعید عن ابن عمر اور کبھی بغیر سعید بن مسیب کے عن ابن عمر روایت کرتے ہیں اسی وجہ سے ابوبکر بن بزار نے کہا کہ یہ کلام نبی اکرم ﷺ سے درجہ صحت کو نہیں پہنچتا۔آگے آئے گا کہ جب اس حدیث کا دارومدار صرف عبدالرحیم پر نہیں اور پھر اس کا شاہد اور متابع بھی ہے تو اس سند پر وارد یہ کلام حدیث کی اصل ہونے پر اثر انداز نہ ہوگا۔

(۵)**حدیث انس کی اسناد:** اس حدیث کو ابن ابی عمر نے اپنی مسند میں اور ابن حجر نے موافقہ میں

سلام طویل سے انہوں نے زید عمی سے انہوں یزید رقاشی سے انہوں نے انس بن مالک سے مرفوعاً ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ”مثل اصحابی فی امتی مثل النجوم یھتدون بھا، اذا غابت تحیروا“ یعنی میری امت میں میرے صحابہ کی مثال ستاروں کی طرح ہے کہ جن سے لوگ رہنمائی حاصل کرتے ہیں مگر جب یہ چھپ جاتے ہیں تو لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ اس حدیث کو سلام نے زید عمی کے حوالہ سے روایت کیا ہے۔ ان کے بارے میں ابن حجر نے فرمایا کہ اس کی اسناد میں تین ضعیف راوی ہیں۔ سلام، زید اور یزید۔ ان تینوں میں سب سے شدید ضعف سلام میں ہے۔ ابن حجر نے ان پر ”واہ“ کا حکم لگایا۔ بوصیری نے اس سند کو یزید رقاشی اور زید عمی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا۔

(٦) حدیث عبداللہ ابن عباس کی اسناد: یہ حدیث دو سندوں سے مروی ہے۔

(۱) ابو عباس اصم نے اپنی کتاب ”حدیثہ“ اور بیہقی نے انہیں کی سند سے مدخل میں، خطیب نے کفایہ میں، ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں، نصر بن ابراہیم نے تحریم میں، سلیمان بن ابی کریمہ سے نیز یحییٰ بن سلام نے ”تفسیرہ“ میں ابو ذر حربی نے کتاب السنہ میں، مندل بن علی کی سند سے، نیز بیہقی نے مدخل میں ابو ذرعہ کی سند سے، انہوں نے ابراہیم بن موسیٰ سے، انہوں نے یزید بن ھارون سے روایت کیا۔ ابن ابی کریمہ، مندل اور یزید بن ھارون تینوں نے متفقہ طور پر جویبر سے روایت کیا۔ پھر اس سے اگلے راوی میں یہ تینوں مختلف ہو گئے۔ چنانچہ ابن ابی کریمہ نے جویبر سے انہوں نے ضحاک سے اور انہوں نے ابن عباس سے۔ اس کے برخلاف مندل نے جویبر سے اور جویبر نے ضحاک سے اور انہوں نے مرسلا رسول پاک سے۔ اس کے برعکس جویبر نے جواب بن عبید اللہ سے انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے۔

(۲) ابن بطہ نے ”ابانہ“ میں موسیٰ بن اسحاق الانواری سے، انہوں نے احمد ابن یونس سے، انہوں نے ابو شہاب سے، انہوں نے اور ابن بطہ نے حمزہ سے، انہوں نے عمرو بن دینار سے،

انہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاًیہ حدیث روایت کی ہے۔

اس حدیث کی پہلی سند کا دارومدار "جویبر" پر ہے جن کے سلسلہ میں متروک الحدیث، متفق علی ضعفه جیسے کلمات وارد ہوئے اس کے علاوہ اس کی بعض سندوں میں ارسال بھی ہے۔

خلاصہ: حدیث پاک اصحابی کالنجوم کے سلسلہ میں مذکورہ بالا گفتگو سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ائمہ نے اس کی سندوں پر ضعف کا حکم لگایا ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل نے "لایصح هذا الحدیث"، امام بیہقی نے "هذا حدیث متنه مشهور و اسانیده ضعیفة لم یثبت فی هذا الاسناد"، علائی نے "لم یخرج فی الکتب السنة و لا فی المسانید الکبار وقد روی من طرق فی کلها مقال" ابن کثیر نے "لا یصح شی منها" اور ابن ملقن نے "هذا الحدیث غریب لم یروه احد من اصحاب الکتب المعتمد و له طرق" جیسے تبصرے کر کے اس کی تضعیف فرمائی ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان ائمہ کرام کے نزدیک یہ حدیث مذکورہ بلا سندوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اگرچہ حدیث اصحابی کالنجوم مذکورہ بالا سندوں کے اعتبار سے ضعیف قرار دی گئی ہے مگر ان تمام سندوں کے ضعیف ہونے کے باوجود ائمہ نے شاہد کے طور پر اس کی موید کچھ ایسی حدیثیں نقل فرمائی ہیں کہ جن سے اس حدیث کے معنی کی تائید بھی ہوتی ہے، متابعت بھی ہوتی ہے، اور ان احادیث صحیحہ سے اصحابی کالنجوم کے معنی و مفہوم کو تقویت بھی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے اس حدیث کی متابعت میں شاہد کے طور پر وہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ جس کی سند حسن مقبول ہے۔ اور جس سے اصحابی کالنجوم کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ حضرت قاضی عیاض خود ایک ناقد اور جرح و تعدیل کے اماموں میں سے ہیں جو راویان حدیث پر گہری نظر رکھتے ہیں لہٰذا ان کا کسی حدیث کو نقل کرنا ہی اس بات کی علامت ہے کہ ان کے پاس ضرور کوئی ایسی سند رہی ہے کہ جو ان کے نزدیک ثابت و بے غبار ہے۔ اسی وجہ

سے قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے صیغۂ جزم کے ساتھ اس حسن مقبول حدیث سے متصلاً ''اصحابی کالنجوم'' کو اپنی کتاب شفاء میں نقل فرمایا ہے کہ حدثنا القاضی ابو علی ، حدثنا ابو الحسین و ابو الفضل قالا حدثنا ابو یعلیٰ ، حدثنا ابو علی السنجی ، حدثنا محمد بن محبوب ، حدثنا الترمذی ، حدثنا الحسن بن الصباح ، حدثنا سفیان بن عیینه عن زائده عن عبد الملک بن عمیر عن ربعی بن حراش عن حذیفه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر ، و قال اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم (الشفاء، القسم الثانی فی مایجب الانام من حقوقہ، الباب الثالث فی تعظیم امرہ، نسیم الریاض جلد ۳ ص ۴۲۳، ۴۲۴ مطبوعہ مرکز اہلسنت برکات رضا پوربندر گجرات)

ترجمہ: ہم سے حدیث بیان کی قاضی ابو علی نے ان سے ابو الحسین اور ابو الفضل نے ان سے ابو یعلیٰ نے ان سے ابو علی نے ان سے محمد بن محبوب نے ان سے ترمذی نے ان سے حسن بن صباح نے ان سے سفیان بن عیینہ نے۔ وہ روایت کرتے ہیں زائدہ سے وہ عبد الملک بن عمیر سے وہ ربعی بن جراش سے اور وہ حضرت حذیفہ ابن یمانی سے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ میرے بعد ابوبکر اور عمر کی پیروی کرنا اور فرمایا کہ میرے سارے صحابہ ستاروں کے طرح ہیں ان میں سے تم جس کسی کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤ گے۔

اس حدیث کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ چنانچہ قاضی ابو علی کے بارے میں امام ذہبی نے فرمایا کہ ان کی حدیث متن وسند کے لحاظ سے حسن ہوتی ہے۔ اس کے دوسرے راوی ابو الحسین مبارک بن عبد الجبار کے سلسلہ میں علامہ ابن حجر اور امام ذہبی نے فرمایا کہ یہ ثقہ سند ہیں۔ اس کے تیسرے راوی ابو الفضل بن حسن بغدادی کو یحییٰ بن معین اور امام ذہبی نے ثقہ حافظ فرمایا۔ اس کے چوتھے راوی ابو یعلی بن احمد بغدادی کو خطیب بغدادی نے حدیث میں حسن بتایا۔ اس کے پانچویں راوی ابو علی السنجی کو خطیب بغدادی نے شیخ کبیر اور ثقہ بتایا۔ اس کے چھٹے راوی محمد بن محبوب یہ امام

ترمذی کے شاگرد ہیں جنہیں امام حاکم اور امام ذہبی نے ثقہ حافظ قرار دیا۔اس کے ساتویں راوی حضرت امام ترمذی ہیں جن کے حفظ وثقاہت میں کسی کو شک نہیں ۔اس کے آٹھویں راوی حسن بن صباح واسطی ہیں جنہیں امام احمد نے ثقہ،سنت کا پیروکار اور ابوحاکم وابن حجر نے صدوق بتایا۔اس کے نویں راوی سفیان بن عیینہ ہیں جو ائمہ حدیث میں ایک مشہور امام اور ثقہ ہیں ۔اس کے دسویں راوی زائدہ بن قدامہ ثقفی ہیں جنہیں ابوحاتم ،امام نسائی اور امام حجر ثقہ بتاتے ہیں ۔ گیارہویں راوی عبدالملک بن عمیر ہیں امام ذہبی ،ابوحاکم اور ابن حجر نے جن کی توثیق فرمائی ہے ۔اس کے بارہویں راوی ربعی بن جراش ہیں جنہیں ابن سعد،ذہبی اور ابن حجر نے ثقہ بتایا ہے۔ یہ حدیث آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت حذیفہ نے روایت فرمائی جو صحابی رسول ہیں اور تمام صحابہ کرام عادل وثقہ ہیں ۔ان میں سے کسی کی عدالت وثقاہت پر شک کرنا ہی نقص ایمان کی علامت ہے ۔

قاضی عیاض کی نقل کردہ اس حدیث کے تحت ملا علی قاری امام حلبی کے اس تبصرہ پر کہ قاضی عیاض کو صیغۂ جزم کے ساتھ اسے نقل نہیں کرنا چاہیے تھا،اس پر فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ قاضی عیاض کے نزدیک کسی صحیح سند سے یہ ثابت ہو یا اس اصول کے پیش نظر کہ کثرت طرق کی وجہ سے ضعیف حدیث حسن کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے ۔اس وجہ سے انہوں نے اس کے حسن ہونے پر اعتماد کیا ہو۔نسیم الریاض میں علامہ خفاجی نے اس حدیث کے تحت فرمایا کہ”فلو قال انه بمعنی حدیث الذی قبله وهو حدیث صحیح یعمل به ولذا ساقه بعده کالمتابعة له ولذا جزم به کان اقویٰ واحسن “یعنی صیغۂ جزم کے ساتھ نقل کرنے کی وجہ یہ بیان کی جائے کہ اصحابی کالنجوم اس حدیث کے ہم معنی ہے جس کو قاضی عیاض نے اس سے پہلے اتصال کے ساتھ نقل فرمایا اور چونکہ یہ حدیث،حدیث صحیح ہے جس پر عمل کیا جاتا ہے اسی وجہ سے حضرت قاضی عیاض اصحابی کالنجوم کو اس حدیث صحیح کے بعد اس کے شاہد اور متابع کے طور پر لیکر آئے ۔اسی وجہ سے انہوں نے جزم کے ساتھ اسے نقل فرمایا۔(نسیم الریاض مع الشفاء ومع شرح الشفاء لملا

علی قاری مطبوعہ پور بندر، گجرات جلد ۳ صفحہ ۴۲۳-۴۲۴)

متقدمین و متاخرین علمائے ملت اسلامیہ کے درمیان یہ حدیث پاک مشہور و مقبول رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ کرام نے اس حدیث پر احکام اور فضائل میں اعتماد بھی کیا اور اس کی تصحیح بھی فرمائی۔ چنانچہ قاضی ابویعلیٰ نے فرمایا کہ امام احمد بن حنبل اس سے احتجاج فرماتے تھے اور فضائل صحابہ میں اس پر اعتماد کرتے تھے۔اسی طرح امام عثمان دارمی نے بھی اس پر اعتماد کیا ہے۔فقہاء اور ائمہ اصول نے اس حدیث پاک سے اپنی کتابوں میں استشہاد کیا ہے۔

☆امام سرخسی نے مبسوط کی ادب قاضی کے ضمن میں یہ بیان کیا ہے کہ قاضی کے لئے ضروری ہے کہ اس کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش ہوتو سب سے پہلے وہ کتاب اللہ سے، اگر اس میں نہ پائے تو حدیث پاک سے اور اگر اس میں بھی اس کی نظر اس مقدمہ کا حل تلاش نہ کر پائے تو صحابہ کرام کے اقوال پر نظر کرے۔لہٰذا صحابہ کرام میں سے کسی کا قول جب مل جائے تو اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اسے قیاس پر مقدم کرے کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ’’اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم‘‘۔

☆مسیحی نے صحابی کی تقلید کی سلسلہ میں اپنی کتاب ’’اللباب‘‘ میں فرمایا کہ ہمارے بعض اصحاب کا یہ قول ہے کہ صحابی کی تقلید واجب ہے خواہ وہ قیاس کے موافق ہو یا مخالف۔ یہ قول ابوسعید برزعی اور ان کے متبعین کا ہے۔انہوں نے اس مسئلہ میں دلیل بنایا ہے اللہ کے رسول ﷺ کے ارشاد گرامی ’’اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر‘‘ اور ’’اصحابی کالنجوم‘‘ کو۔

☆امام نفراوی مالکی نے کہا کہ صاحب جوہرہ کا قول ہے کہ اسلاف میں سے صالحین کی اتباع کریں کیونکہ ہر مکلف اس بات کا مامور ہے کہ وہ اپنے عقائد، اپنے اقوال، اپنے احوال اور اپنی حیات میں صالحین کی جماعت کا اتباع کرے۔کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے ’’علیکم بسنتی الخ‘‘ اور ’’اصحابی کالنجوم‘‘۔

☆امام ماوردی شافعی نے ''الحاوی الکبیر'' میں فرمایا کہ بعض محدثین نے صحابہ کرام ہی کی تقلید کو جائز قرار دیا ہے، تابعین کی نہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے قول اصحابی کالنجوم الخ کی وجہ سے۔

☆ابن قدامہ حنبلی نے ایک مسئلہ کے سلسلہ میں مغنی میں اصحابی کالنجوم سے استناد کیا۔

(مقدمۃ المحقق من الصحابہ کالنجوم صفحہ ۱۱ تا ۱۳)

☆حضرت ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں اس حدیث پاک سے اسناد کرتے ہوئے فرمایا کہ ''ولذلک ذهب جمهور العلماء الی أن الصحابة رضی الله عنهم عدول قبل فتنة عثمان و کذا بعدها۔ ولقوله علیه الصلاة والسلام: أصحابی کالنجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم۔'' یعنی (اسی مذکورہ بالا حدیث کہ جب میرے صحابہ کا ذکر ہو تو رک جاؤ) کی وجہ سے جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں برپا ہونے والی بغاوت سے پہلے یا اس واقعہ کے بعد، بہرحال ہر دور میں تمام صحابہ عادل ہیں۔ کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ میرے تمام صحابہ ستاروں کے مثل ہیں کہ ان میں سے تم جس کی اقتدا کرو ہدایت پا جاؤ گے۔ (شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۱۶ مطبوعہ دارالایمان)

حدیث ضعیف کی تقویت کے اسباب: یہ بات مشہور و معروف ہے کہ حدیث ضعیف فضائل اعمال، مناقب، استحباب، احتیاط کے مقامات اور احکام کراہت میں مقبول و معتبر ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اسباب ہیں جن کی وجہ سے حدیث ضعیف میں تقویت پیدا ہو جاتی ہے حتیٰ کہ یہ احکام والی حدیث کی بھی ناسخ بن جاتی ہے۔ ان میں سے چند اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) تلقی بالقبول: وہ حدیث ضعیف جسے امت کے متقدمین و متاخرین علما و ائمہ نے قبول کرلیا ہو تو ایسی حدیث تلقی بالقبول کہلاتی ہے۔ جس کے بعد وہ قابل عمل ہو جاتی ہے۔ علامہ سخاوی شرح الفیہ میں فرماتے ہیں کہ: ''اذا تلقت الامت الضعیف بالقبول یعمل به الصحیح حتی انه ینزل منزلة المتواتر فی انه ینسخ المقطوع به ولهذا قال الشافعی رحمة الله تعالیٰ فی

حدیث ''لا وصیة لوارث'' انه لا یثبت اھل العلم بالحدیث ولکن العامة تلقتہ بالقبول وعملوا بہ حتی جعلوہ ناسخا لایة الوصیة لوارث''۔ترجمہ: جب حدیث ضعیف کو امت قبول کرلے تو صحیح یہی ہے کہ اس پر عمل کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ یقینی اور قطعی حدیث کو منسوخ کرنے میں متواتر حدیث کے رتبہ میں سمجھی جائے گی اور اسی وجہ سے امام شافعی نے حدیث ''لا وصیة لوارث'' کے بارے میں یہ فرمایا کہ اس حدیث کو محدثین ثابت نہیں کہتے لیکن ائمہ علماء نے اس کو قبول کرلیا اور اس پر عمل کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ حدیث وارث کے حق میں وصیت کا حکم دینے والی آیت '' كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ الآیة '' (مفہوم آیت: تم پر فرض کیا گیا کہ جب تم میں سے کسی کا موت کا وقت قریب آئے اور اگر اس نے کچھ مال چھوڑا ہو تو وہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیت کرے)۔کی ناسخ بن گئی۔

(۲) **تعامل:** کوئی حدیث سند کے اعتبار سے کتنی بھی مضبوط وقوی کیوں نہ ہوا گر امت کا عمل اُس پر نہیں ہے تو اس کی حجیت قطعی نہیں رہتی نسخ کے احتمال کی وجہ سے۔اسی وجہ سے محدثین کرام حدیث کی حجیت پر اس کے معمول بہ ہونے کا بھی اعتبار کرتے ہیں چنانچہ وکیع نے اسمٰعیل بن ابراہیم مہاجر سے نقل کیا کہ حفظ حدیث میں اس کے عمل سے بھی مدد لی جاتی تھی۔(تاریخ ابی زرعہ الدمشقی) امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ ''التعقبات علی الموضوعات ''میں فرماتے ہیں: اہل علم کے قول اور تعامل کے ساتھ حدیث ضعیف ضعف سے نکل کر صحیح اور قابل عمل ہو جاتی ہے۔ اگر چہ اس کی سند لائق اعتماد نہ ہو۔بہت سے اہل علم کا یہ قول ہے۔

(۳) **تعدد اسناد:** ضعیف حدیث متعدد سندوں سے مروی ہو تو وہ حسن لغیرہ ہو جاتی ہے۔

(۴) **مجتہد کا استدلال:** علامہ شامی فرماتے ہیں کہ مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرلے تو اس کا استدلال بھی حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔جیسا کہ ''تحریر'' میں امام ابن ہمام نے تحقیق

فرمائی ہے ۔(ردالمحتار جلد ۴ صفحہ ۱ مطبوعہ استانبول)

(۵) **اہل علم کا عمل:** علماء وصلحا کے عمل سے بھی حدیث کی صحت پر استدلال کیا جاتا ہے ۔امام حاکم نیشاپوری صلوٰۃ التسبیح کی صحت پر استدلال کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ جس چیز سے اس حدیث کی صحت پر استدلال کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ تبع تابعین سے لے کر ہمارے اس دور تک تمام ائمہ اس پر ہمیشگی کے ساتھ عمل کرتے رہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم بھی دیتے رہے ۔جن میں عبداللہ ابن مبارک بھی ہیں ۔

(۶) **کشف:** اہل کشف کا کشف بھی ضعیف حدیث کو صحت کے درجے میں پہنچا دیتا ہے ۔جیسا کہ شیخ ابن عربی کا یہ واقعہ کہ انہیں یہ روایت پہنچی کہ جو ستر ہزار مرتبہ کلمۂ طیبہ پڑھ لے تو اس کی اور جس کو ان کا ثواب بخشا گیا اس کی بھی مغفرت کر دی جاتی ہے ۔آپ اس حدیث کو ضعیف سمجھتے تھے ۔آپ کے پاس اتنے کلمے پڑھے ہوئے تھے ۔ایک دعوت میں پہنچے، ایک نوجوان اچانک رونے لگا ۔معلوم کرنے پر بتایا کہ میری والدہ قبر کے عذاب میں مبتلا ہیں ۔شیخ ابن عربی نے دل ہی دل میں ستر ہزار کلمۂ طیبہ کا ثواب اُس کی ماں کو بخش دیا تو وہ نوجوان ہنسنے لگا اور کہا کہ میری والدہ اب اچھی حالت میں ہیں ۔شیخ ابن عربی فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی صحت کو اس جوان کے کشف سے اور اس جوان کے کشف کی صحت کو اس حدیث کی صحت سے جان لیا ۔(مرقاۃ جلد دوم صفحہ ۹۸، مکتبہ امدادیہ ملتان)

(۷) **اہل علم کا اتفاق:** جس حدیث کے مفہوم و مدلول پر علماء کا اتفاق ہو جائے تو وہ بھی حدیث مقبول ہو جاتی ہے ۔علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جس حدیث کے مدلول پر علماء متفق ہوں وہ حدیث مقبول ہوتی ہے اور اس کے تقاضہ پر عمل کرنا واجب ہے ۔ائمہ اصول نے اس کی تصریح فرمائی ہے ۔(النکت علی کتاب ابن الصلاح جلد ۱ صفحہ ۴۹۴، مطبوعہ احیاء التراث)

(۸) **صرف حدیث ضعیف میسر ہو:** علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ جب کسی باب میں حدیث ضعیف

کےعلاوہ کوئی اور حدیث نہ ہوتو امام اسحاق علیہ الرحمہ نے حدیث ضعیف سے استدلال کیا ہے۔امام ابو داؤد نے اس کی اتباع کی ہے۔امام ابوحنیفہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔(فتح المغیث،جلد ا صفحہ ۲۳۳،مطبوعہ دارالامام)

یہ اوران کے علاوہ کچھ اور اسباب ہیں جن کی وجہ سے حدیث ضعیف ضعف سے نکل کرحسن بلکہ صحیح تک ترقی کرجاتی ہے۔لہٰذا کسی حدیث کی سند کے سلسلہ میں ائمہ جرح وتعدیل کلام،طعن اور جرح کرکے اس کے ضعف کو سنداً ثابت بھی کردیں تو اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث قابل عمل نہ رہی یا یہ کہ وہ موضوع ہوگئی۔اس لئے کہ حدیث صحیح اور موضوع کے درمیان بہت سے درجے ہوتے ہیں۔

غیر مقلدین اور احادیث ضعیفہ: غیر مقلدین اس سلسلہ میں بہت متشدد واقع ہوئے ہیں۔اگر انہوں نے علمائے جرح وتعدیل میں سے کسی کا ایک جملہ بھی کسی درجہ کی بھی کتاب یا کتیبہ میں پڑھ لیا کہ یہ حدیث ضعیف ہے تو ان کی باچھیں اس طرح کھل جاتی ہیں جیسے کہ کوئی بہت بڑا میدان مارلیا ہو۔لہٰذا اسی خوشی میں مدہوش ہوکر بغیر کسی تحقیق وتفتیش کے وہ اس کو باطل،موضوع اور جھوٹی قرار دے دیتے ہیں۔خواہ وہ حدیث ضعیف فضائل اعمال یا مناقب ہی سے متعلق کیوں نہ ہو۔یہی وجہ ہے کہ غیر مقلدین نے صحابہ کرام کی فضیلت اور اُن کو اپنا ہادی ورہنما ماننے کی دعوت پر مشتمل اس حدیث پاک اصحابی کالنجوم کا بھی شدومد کے ساتھ رد کرنا شروع کردیا۔ابن حزم اور البانی کے علاوہ کسی نے بھی اس حدیث کوموضوع قرار نہ دیا بلکہ اگر کسی کا کوئی کلام موجود ہے بھی تو اس کا تعلق صرف اس کے ضعف سے ہے۔انہیں دونوں کی اتباع کرتے ہوئے موجودہ زمانے کے غیر مقلدین وہابیوں نے بھی اس حدیث پاک کوموضوع قرار دے ڈالا۔چونکہ آج ہماری نئی نسل کے علماء زیادہ تر انٹرنیٹ وغیرہ پر اپ لوڈ کتابوں کے پڑھنے کا رجحان رکھتے ہیں۔یا خوبصورتی کے ساتھ چھپی ہوئی اُن کتابوں کا کہ جو زیادہ تر وہابیہ کے مکتبوں سے ان کے غیر مقلد محققین کی تحقیق

کے ساتھ شائع ہو رہی ہیں۔ وہ اپنے محقق نسخوں میں تحقیق کے نام پر ایسی حدیثوں کو کہ جن کی سندوں کے سلسلہ میں اکابر ائمہ کے بہت سہل اور ہلکے الفاظ سے جرح وطعن اور کلام وارد ہوا ہے۔ خواہ اسے دوسرے ائمہ نے رد ہی کیوں نہ کر دیا ہو۔ اُن کا سہارا لے کر انہیں باطل، موضوع اور مکذوب کہہ کر خاصا رڈ کرنے پر اپنی پوری تحقیق کا زور صرف کر دیتے ہیں۔ ان کی اس تحقیق سے دھوکا کھا کر فضائل ومناقب میں وارد ایسی احادیث کریمہ پر وہابیہ کے علاوہ اب ہمارے اپنے کچھ جدید فکر رکھنے والے علماء بھی کلام کرنے لگے ہیں۔

الصحابة نجوم الاهتداء کا سبب تالیف

تحقیق کے نام پر ان وہابی محققین نے جن احادیث کریمہ کو تختۂ مشق بنایا ہے ان میں سے ایک حدیث پاک یہی "اصحابی کالنجوم" بھی ہے۔ جسے دیگر ائمہ کے ساتھ حضرت قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ" میں نقل فرمایا ہے۔ اس کو پروفیسر طٰہٰ عبدالرؤف کی تحقیق، تخریج اور تعلیق وتحشیہ کے ساتھ سلفی ذہن وفکر رکھنے والے مکتبوں نے از سرِ نو شائع کر کے انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعہ پوری دنیا میں عام کیا ہے۔ اس حدیث کے اوپر مذکورہ پروفیسر نے سلفیوں، وہابیوں اور ابن حزم کی اتباع میں جو حاشیہ لگایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث اصحابی کالنجوم موضوع ہے۔ پھر اس کے موضوع ہونے پر دلیل کے طور پر امام ذہبی کی اُس گفتگو کا حوالہ دیا کہ جو میزان میں جعفر بن عبدالواحد ہاشمی کے حالات کے تحت درج ہے۔ اس کے ساتھ ہی امام دارقطنی کے حوالے سے "یضع الحدیث" (وہ حدیث گڑھتا ہے) نقل کیا۔ ابو زرعہ کا یہ قول بھی نقل کیا کہ جو جعفر کے حوالے سے اُن سے وارد ہوا کہ "روی احادیث لا اصل لھا۔ وذکر ھٰذا الحدیث من بلایاہ" یعنی جعفر نے بے اصل حدیثیں روایت کی ہیں نیز ابو زرعہ نے جعفر کی مذکورہ روایت کو بھی اس کی "بلایا" میں شمار کیا ہے۔

محشی مذکور نے مذکورہ بالا الفاظ جرح سے اس حدیث کے موضوع ہونے کا جو دعویٰ کیا ہے

اس کا ردّ و ابطال کرنے، اس حدیث پر لگے الزام وضع کو دفع کرنے، اس حدیث کے حجت ہونے ،اس کے معمول بہا ہونے، تلقی بالقبول کی وجہ سے درجۂ ضعیف سے درجۂ حسن تک ترقی کرنے اور اس کے متن و مفہوم کا علمائے متقدمین ومتأخرین کے درمیان شہرت پذیر ہونے کو عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کرنے کے لیے حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے فصیح عربی زبان میں ''**الصحابة نجوم الاهتداء**'' کے نام سے ایک مختصر مگر جامع رسالہ تحریر فرمایا۔ یہ رسالہ ۴۷ر صفحات پر مشتمل ہے جو ''**دار المقطم للنشر والتوزیع** سے ۲۰۰۹ء میں صیام ابوسہل نجاح عوض کی تحقیق و تالیف کے ساتھ مصر سے شائع ہوا۔ صفحہ نمبر ۹ سے ۱۴ تک محقق رسالہ کا ایک عمدہ مقدمہ ہے۔ صفحہ ۱۵ سے ۱۸ تک محمد خالد ہندی کے قلم سے تحریر کیا ہوا سرکار تاج الشریعہ کا ایک جامع تعارف ہے۔ اصل رسالہ صفحہ نمبر ۱۹ر سے شروع ہو کر صفحہ ۴۷ پر ختم ہوتا ہے۔

حضرت تاج الشریعہ کی فنی مہارت: فن حدیث اور اس کے متعلقہ فنون میں سرکار تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی اگر مہارت تامہ دیکھنا ہو تو دلیل کے طور پر یہی مختصر رسالہ ہی کافی ہے۔ آپ نے اس رسالے میں ''نقد رجال'' کے تعلق سے جو فاضلانہ بحث کی ہے اسے دیکھ کر یہ یقین ہو جاتا ہے کہ بلا شبہ آپ وارث علوم اعلیٰ حضرت تھے۔ اگر کسی نے سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فن حدیث سے متعلق مباحث و رسائل خاص کر ''**الهاد الكاف**''، ''**تقبيل الابهامين**''، ''**حاجز البحرين**'' اور ''**شمائم العنبر**'' جیسے رسائل کا مطالعہ کیا ہے تو وہ ''**الصحابه نجوم الاهتداء**'' پڑھ کر ضرور یہ نتیجہ اخذ کرے گا کہ اس رسالے کی ہر بحث، اس کی ہر بحث کی ہر سطر اور اس کے ہر ہر لفظ میں سیدی سرکار اعلیٰ حضرت، سرکار حجۃ الاسلام، سرکار مفتی اعظم ہند اور سرکار مفسر اعظم ہند کے علوم و فنون کے جلوے نظر آتے ہیں۔

سرکار تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے سلفی ذہن رکھنے والے معاصر محققین کا جس انداز میں روایتاً اور درایتاً تعاقب کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ اس حدیث پر الزام وضع کو آپ نے ۷ر وجوہات

سے دفع فرمایا ہے۔

وجہ اول: چونکہ محشی مذکور نے اس حدیث کے موضوع ہونے پر امام دارقطنی کے قول ''یضع الحدیث'' کو دلیل کے طور پر پیش کیا تھا۔اس کی تردید کے لیے آپ نے سب سے پہلے ملا علی قاری کی شرح شفاء سے وہ عبارت من وعن نقل فرمائی ہے کہ جسے ہم ما قبل میں بیان کر آئے ہیں۔اس عبارت کو نقل کر کے آپ نے اس سے دو نتیجے اخذ فرمائے۔

(۱) بقول ملا علی قاری، دارقطنی نے خود ہی اس حدیث کو روایت کیا مگر اُس پر موضوع ہونے کا حکم نہ لگایا۔بقول محشی اگر دارقطنی نے اس حدیث کو موضوع کہا ہوتا تو حضرت ملا علی قاری اس کو ضرور نقل فرماتے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دارقطنی کے نزدیک یہ حدیث موضوع نہیں ہے اور یضع الحدیث کا محمل اور اس کی مراد کچھ اور ہے۔

(۲) ملا علی قاری نے اسی ضمن میں علامہ ابن عبد البر کا قول نقل فرمایا ہے کہ''یہ ایسی اسناد ہے کہ جس سے حجت قائم نہیں کی جا سکتی''۔اسی طرح انہوں نے بزار کا یہ قول بھی نقل کیا کہ''یہ حدیث منکر غیر صحیح ہے''۔ان دونوں حضرات کے مذکورہ دونوں اقوال سے ہرگز ہرگز اس حدیث کا موضوع ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس سے محض اتنا ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے،موضوع نہیں۔اسی ضمن میں ملا علی قاری نے ابن عدی کے حوالے سے یہ نقل فرمایا کہ''اس کی اسناد ضعیف ہے''۔ابن عدی کے اس قول سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ یہ حدیث مرتبۂ ضعیف سے مرتبۂ وضع تک نہیں پہنچی ہے۔اس حدیث کے ضعف کو ختم کرنے میں سب سے زیادہ مؤید تو امام بیہقی کا وہ جملہ ہے کہ جس میں آپ نے فرمایا کہ''اس کا متن مشہور ہے اور اس کی سندیں ضعیف ہیں''۔کیونکہ امام بیہقی کا یہ جملہ اس بات کا پتہ دے رہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف،ضعف سے ترقی کر کے تلقی بالقبول کی وجہ سے درجۂ حسن کو پہنچ چکی ہے۔اسی وجہ سے ملا علی قاری نے اپنی گفتگو کو اس جملہ پر ختم فرمایا تھا کہ ''حدیث کثرت طرق کی وجہ سے ضعف سے ترقی کر کے درجۂ حسن کو پہنچ جاتی ہے''۔

پھر اسی حدیث کے ضمن میں شفاء کی شرح نسیم الریاض میں علامہ خفاجی نے بھی دارقطنی کے حوالے سے یہ بتایا کہ انہوں نے بھی اس حدیث کی تخریج فرمائی ہے۔ مگر علامہ خفاجی نے بھی دارقطنی کے حوالے سے اس کے موضوع ہونے کو ذکر نہ فرمایا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ دونوں حضرات (ملا علی قاری، علامہ خفاجی) دارقطنی کے حوالے سے گفتگو کریں اور بقول محشی مذکور کہ دارقطنی نے اسے موضوع کہا ہے، اسے نقل نہ کریں۔ اس کے برخلاف جس نے اسے موضوع کہا تھا علامہ خفاجی نے اس کی ضرور صراحت فرمادی کہ ابن حزم نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔

وجہ ثانی: محشی مذکور نے موضوع ہونے کے اپنے دعوے پر ابوزرعہ کا قول دلیل کے طور پر جو نقل کیا ہے کہ ''اس نے بے اصل حدیثیں روایت کی ہیں''، تو اس سے بھی اس حدیث کا موضوع ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ابوزرعہ کا مذکورہ قول حکم بالوضع کے باب میں صریح نہیں ہے۔ پھر لسان المیزان میں سعید بن عمر کے حوالے سے ابوزرعہ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ سعید کا اُن سے جعفر کی کچھ مرویات کا مذاکرہ ہوا تو ابوزرعہ نے اُن میں سے کچھ حدیثوں سے اپنی نکارت وعدم معرفت کا اظہار کیا اور بعض کے تعلق سے صریح طور پر یہ ارشاد فرمایا کہ وہ باطل وموضوع ہیں۔ ان کے ان دو متغائر اور مختلف جملوں اور حکموں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوزرعہ ''لا اصل لھا'' سے حدیثوں کا موضوع ہونا مراد نہیں لیتے۔ لہٰذا یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ابوزرعہ کے قول لا اصل لہا کو اس حدیث جعفر کے موضوع ہونے پر دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ نیز ان کا لا اصل لہا کہنا اُن کے اپنے علم ومعرفت کی بنیاد پر ہے۔ جس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ دوسروں کے نزدیک بھی اس کی اصل ثابت نہ ہو۔

وجہ ثالث: جعفر کے حالات کے ضمن میں یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ وہ بے اصل حدیثیں نقل کرتا ہے، ثقہ راویوں سے منکر حدیثیں لے کر آتا ہے نیز ابوحاتم کے حوالے سے اس کے قصہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس پر وضع سند اور احادیث کو سرقہ کرنے کا الزام لگایا گیا ہے۔ یہ بھی اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ وضع سے مراد ''وضع سند'' ہے نہ کہ ''وضع متن سند'' اور دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے

کیونکہ محدثین کرام کبھی کسی حدیث کو سند کے موضوع ہونے کے اعتبار سے موضوع کہتے ہیں اور کبھی متن کے اعتبار سے لہٰذا جب وضع سند کے اعتبار سے کسی حدیث کو موضوع کہا جائے تو وہ حکم صرف اور صرف سند ہی تک محدود رہے گا متن تک نہ جائے گا۔

جعفر پر ایک جرح غیر مفسر بھی جاری کی گئی تھی۔جس کے سلسلہ میں حضرت تاج الشریعہ علامہ ابن صلاح کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ اسباب جرح کی تعیین کے سلسلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ایسی صورت میں ایک فریق کے نزیک وہ جرح قابل قبول ہوگی اور دوسرے کے نزدیک نہیں ہوگی لہٰذا اسباب جرح کا واضح طور پر ذکر ضروری ہے تا کہ یہ متعین ہو سکے کہ ان اسباب کی وجہ سے یہ جرح قابل قبول ہے یا نہیں۔

وجہ رابع: پھر ما قبل میں ابوزرعہ کے حوالے سے جو یہ کہا گیا کہ اس کی کچھ حدیثوں کو انہوں نے باطل موضوع قرار دیا تو یہ بھی جملہ کئی معانی کا احتمال رکھتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ انہوں نے یہ جملہ ان حدیثوں کے بارے میں بولا ہو کہ جن کا دارومدار صرف جعفر پر تھا جس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی تمام حدیثیں ہی اسی طرح ہوں۔لہٰذا جعفر کی وجہ سے خاص طور پر اس حدیث کے بارے میں موضوع ہونے کا گمان کرنا صحیح نہیں ہے۔

وجہ خامس: محشی مذکور"طٰہٰ عبد الرؤف" نے اس حدیث کے موضوع ہونے کے اپنے دعوے کو علامہ ابن حجر کی جانب منسوب کیا ہے۔حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ علامہ ابن حجر نے اولاً اس حدیث کے اوپر محض"ضعیف واہ" کا حکم لگایا ہے۔علامہ ابن حزم کے تعلق سے ضرور یہ فرمایا ہے کہ یہ حدیث موضوع باطل ہے۔اس کے بعد علامہ ابن حجر نے تو امام بیہقی کے اس قول کہ حدیث مسلم اس کے بعض معانی کی تائید کرتی ہے، سے ابن حزم کے دعوے کو باطل کیا ہے نہ یہ کہ خود وہ اس کو موضوع کہہ رہے ہیں۔لہٰذا طہٰ عبد الرؤف کا علامہ ابن حجر پر یہ ایک صریح اور جھوٹا الزام ہے۔

وجہ سادس: محشی مذکور نے جعفر کی وجہ سے اس حدیث پر وضع کا حکم لگایا اور دار قطنی کے قول

''یضع الحدیث'' کا حوالہ دیا حالانکہ خود دارقطنی نے اس حدیث کی تخریج فرمائی ہے۔لہٰذا اگر جعفر والی سند سے اس حدیث کی اُن کے ذریعہ کی گئی تخریج ثابت ہو جائے تو اولاً اس بات سے ان کا قول ''یضع الحدیث''، ٹوٹ جائے گا، ان کے اس فعل تخریج سے کہ جو انہوں نے بغیر موضوع کہے اس کی تخریج فرمائی۔ثانیاً اس تخریج سے تو جعفر کی توثیق ہو گی بالفرض توثیق نہ بھی مانی جائے تو کم ازکم اس سے یہ تو ثابت ہو ہی گیا کہ جعفر کی حدیث لکھے جانے اور قبول کئے جانے کے لائق ہے۔ نیز ابن عدی کا قول کہ وہ حدیث سرقہ کرتا ہے اور ثقہ راویوں سے منکر حدیثیں لاتا ہے، یہ حکم بھی وضع سند کی طرف راجع ہے نہ کہ وضع متن کی طرف۔

محشی مذکور نے اس حدیث کے موضوع ہونے کو ثابت کرنے کے لیے اس حدیث کے تعلق سے کہے گئے ابو زرعہ کے اس قول کے ''انه من بلایاه'' سے استدلال کیا ہے، یہ بھی قابل رد ہے۔کیونکہ یہ بھی اپنے ظاہر پر محمول نہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کا دارومدار صرف جعفر پر نہیں نیز اس حدیث کی دوسری حدیث سے تائید بھی ہو رہی ہے۔تو اس کی وجہ سے اسے موضوع کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ امام ذہبی اور ابن حجر نے میزان اور لسان المیزان میں جعفر کے تعلق سے ایک بات یہ بھی ارشاد فرمائی ہے کہ جعفر کو اس بات کی قسم دلائی گئی تھی کہ وہ حدیث بیان نہ کرے گا اور نہ ''حدثنا'' کہے گا۔اس سے بھی جعفر کے اوپر وضع حدیث بمعنی وضع متن کا حکم نہیں لگایا جاسکتا کیونکہ اس عبارت سے صراحۃً صرف یہ ثابت ہو رہا ہے کہ اسے حدیث بیان کرنے کی اجازت نہیں تھی اور اجازت حدیث کی نفی سے ارتکاب وضع ثابت نہیں ہوتا۔نہ سند میں اور نہ متن میں۔نیز حدیث بیان کرنے کی ممانعت جرح مبہم کے قبیل سے ہے۔جو لائق اعتنا نہیں۔اسی طرح ابن عدی نے جعفر کی حدیثوں پر جو یہ حکم لگایا ''کلها بواطیل'' کہ سب کی سب باطل ہیں۔یہ حکم بھی مجمل ہے کیونکہ محض اتنے سے یہ واضح نہیں ہو رہا کہ بطلان آیا سند کی جہت سے ہے یا متن کی جہت سے؟ اگر متن کی جہت سے ہے تو حکم وضع کا سبب کیا ہے؟ علامت وضع کیا ہے؟ نیز یہ

موضوع کی کس قسم سے تعلق رکھتی ہے؟ بلا شبہ یہ محل محل تفصیل ہے جس میں اجمال ممنوع ہے۔

وجہ سابع: اس حدیث کو موضوع بتانے والوں میں ابن حزم منفرد ہے۔ سب سے پہلے اسی نے اس کے اوپر موضوع ہونے کا حکم لگایا اور اسی کی اتباع کرتے ہوئے قدیم و جدید سلفیہ اور وہابیہ بھی اسے موضوع بتانے لگے۔ محشی مذکور نے بھی اس حدیث پر وضع کا حکم لگانے پر ابن حزم ہی پر اعتماد کیا ہے۔ حالانکہ ابن حزم نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حارث بن غصین اور سلّام بن سلیمان کی وجہ سے اس حدیث پر کلام کیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ ''سلّام بن سلیمان موضوع حدیثیں روایت کرتا تھا اور بلا شبہ یہ حدیث بھی انہیں موضوع حدیثوں میں سے ہے لہٰذا اس کی اسناد کے ضعیف ہونے کی وجہ سے یہ روایت ساقط ہے''۔

ابن حزم کا یہ دعویٰ کئی اعتبار سے قابل ردّ ہے کیونکہ اس کے ذریعہ عائد کردہ یہ حکم، سند سے متعلق ہے نہ کہ متن سے۔ جس پر قرینہ اس کا اگلا قول ہے کہ یہ روایت ساقط ہے۔ الخ نیز ابن حزم کا ''ھٰذا منھا بلاشک'' کا یہ دعویٰ ممنوع ہے کیونکہ یہ بنا دلیل ہے۔ پھر اس کے قول کا پہلا جملہ دوسرے جملے ہی سے منقوض ہے کیونکہ وہ خود آخری جملے میں اس کی سند کے ضعیف ہونے کا اقرار کر رہا ہے۔ جبکہ ضعف سند ضعف متن ہی کو مستلزم نہیں چہ جائے کہ وہ کسی حدیث کے موضوع ہونے کو مستلزم ہو۔ مجہول ہونے کی وجہ سے حدیث ابن عمر کے دو راویوں عبد الرحیم اور زید عمی کو متروک قرار دینے سے بھی زیادہ میں زیادہ اس حدیث کا ضعیف ہونا لازم آئے گا نہ کہ موضوع ہونا۔ بزار نے جو یہ کہا کہ ''ھٰذا کلام لا یصح عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کہ یہ حدیث آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح نہیں۔ بزار کے اس قول سے اس حدیث کو موضوع ثابت کرنا یا اس کو باطل و کاذب کہنا یہ بھی باطل ہے کیونکہ بزار کے اس قول کا مفاد صرف اتنا ہے کہ یہ حدیث محدثین کی اصطلاح والی ''حدیث صحیح'' کے درجے تک پہنچی ہوئی نہیں ہے۔ کیونکہ صحت کی نفی سے تو کسی حدیث کا حسن نہ ہونا ہی ثابت نہیں ہوتا چہ جائے کہ یہ اس حدیث کے ضعیف یا موضوع ہونے کا افادہ کرے۔

☆ان ساتوں وجوہات کی تفصیلات کو پڑھئے اوران کے بین السطور میں پائے جانے والے فن حدیث اورفن جرح وتعدیل کے گراں قدر موتیوں کو چنیئے ۔ایسامحسوس ہوتا ہے کہ تاج الشریعہ کی تحریروں اوران کے بیان کردہ نکات میں امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کافیضان بھرپور انداز میں جھلک رہاہواور بلاشبہ حقیقت بھی یہی ہے۔

☆ان ساتوں وجوہات کے ضمن میں محشی مذکور،ابن حزم اورسلفیوں کے اس دعوے کہ یہ حدیث موضوع ہے،اس کی دھجیاں بکھیرنے اوراس دعوے کے ظاہر البطلان ہونے کی قلعی کھولنے کے بعد سرکارتاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے ابن حزم کے کچھ اقتباسات نقل کر کے ہر ایک کارد بلیغ فرمایا ہے ۔اخیر میں آپ نے یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ اس حدیث یااس طرح کی دیگر روایتوں کوموضوع کہہ کررد کرنے کے پیچھے ان سلفیوں کی ایک غرض فاسد کارفرماہے اوروہ یہ کہ جب صحابہ کرام ہی مجروح ہوجائیں گے،ان کی عدالت ساقط کر دی جائے گی۔ان کی اقتداہی باطل ہو جائے گی تو تقلید کادروازہ ہی سرے سے بند ہو جائے گااور ہر شخص کو اجتہاد کرنے کی اتھارٹی مل جائے گی۔ صالحین کی تقلید کو چھوڑ کرعیاش،گمراہ اور دنیاداروں کی تقلید کا قلادہ امت مسلمہ کے گلے میں آسانی کے ساتھ ڈال دیا جائے گا۔جبکہ مسلمہ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام کو اجتہاد کرنے اوران کے اجتہاد کی تقلید کرنے کا حکم خود آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عنایت فرمایا ہے ۔جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اس کی سب سے واضح دلیل ہے۔

☆ابن حزم اوران کے متبعین کی جسارت،بے ادبی اورگستاخی کی نظیر پیش کرتے ہوئے حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے صحابی رسول حضرت ابوطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں اس کی گستاخانہ گفتگو کونقل فرماتے ہوئے کہا ہے کہ ابن حزم نے حضرت ابوطفیل کومقدوح قرار دیااوراس کی وجہ یہ بیان کی کہ یہ مختار کے جھنڈابردار تھے جورجعت کا عقیدت رکھتا تھا۔

جبکہ ماقبل میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن وحدیث کے ظاہر اوراجماع سے یہ بات

ثابت ہے کہ تمام صحابہ عادل وثقہ ہیں۔اس نے حضرت ابوطفیل ہی کی عدالت کو ساقط نہ کیا بلکہ اس کی وجہ سے تمام صحابہ کی عدالت کو ساقط کرنے کی اس نے جسارت وکوشش کی ہے اور یہی اس کا مقصود بھی ہے بلکہ تمام وہابیہ ہی کی یہ کوشش ہے کہ امت مسلمہ کے دلوں سے صحابہ کرام کی عظمت ووقعت کوختم کر دیا جائے۔

☆ اخیر میں حضرت تاج الشریعہ نے ایک بہت ہی کارآمد نسخۂ کیمیا عطا فرمایا ہے کہ اگر کوئی حدیث اصول شرع سے متصادم نہ ہوتو اس پر عمل پیرا ہو جانا چاہیئے کہ اگر وہ حقیقت کے اعتبار سے ثابت شدہ حدیث ہے تو عمل کا بھی ثواب اور حدیث پر عمل کرنے کا بھی اجر۔ بالفرض نفس الامر میں وہ حدیث نہ بھی ہو تب بھی کسی اچھے کام کرنے میں کیا نقصان ہے۔عقلمندی کا تقاضا یہ نہیں کہ عمل کرنے کے لیے صحت سند کا انتظار کرے کیونکہ جب تک صحت سند کا ثبوت ملے گا تب تک تو عمل کرنے کا وقت ہی نکل جائے گا۔بلکہ دانشمندی یہ ہے کہ جب کوئی اچھی بات ملے تو اس پر عمل کرنا شروع کردے کہ ہر اعتبار سے فائدہ ہی فائدہ ہے۔

اس اصول کو ذہن نشیں کرانے کے لیے آپ نے ایک بہت عمدہ مثال پیش فرمائی ہے کہ:

''شدت مرض کے شکار آدمی کو اگر کوئی شخص کسی حکیم کے حوالے سے کوئی نسخہ بتائے تو عقلمندی یہ ہے کہ وہ اپنے مرض کو دور کرنے کے لیے فوراً اس پر عمل کرتے ہوئے اس دوا کا استعمال کرے۔ دانشمندی یہ نہیں کہ وہ اس بات کی تلاش میں پڑے کہ یہ نسخہ اس حکیم سے مجھ تک کس سند کے ذریعہ سے پہنچ رہا ہے۔اس کے پہنچانے والے کیسے ہیں؟ کیونکہ اگر وہ اس کی تلاش میں پڑے گا تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ یہ تو اس مثل کے مطابق ہوا کہ جب تک زہر کاٹنے والی تریاق نامی دوا عراق سے آئے گی تب تک تو سانپ کا ڈسا ہوا شخص اس دنیا سے ہی رخصت ہو جائے گا''۔

بلا شبہ یہ پورا رسالہ ہی فن حدیث ،نقد رجال،فن اسماء الرجال،فن جرح تعدیل کے علاوہ فن مناظرہ کے آبدار موتیوں سے بھرا پڑا ہے۔اس کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ علم حدیث ،درایت حدیث

،روایت حدیث کے ساتھ ائمہ جرح وتعدیل کے الفاظ جرح کے حقیقی مفہوم،ان کے محمل اوران کی مراد کیا ہے؟ان سب باتوں میں حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کا پایہ کس قدر بلند تھا۔آپ نے اپنی بے مثال علمی خدمات کے ذریعہ یہ ثابت کردیا کہ اعلیٰ حضرت اور مشائخ خانوادۂ رضویہ کے علوم وفنون ،معرفت وحکمت اور روحانیت کے آپ ہی بلاشبہ سچے وارث وامین تھے۔

